هَذَا بَلاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الأَلْبَابِ○ النحل(٥٢)

حصہ دوم

عقیدہ ونظریہ

نواقض الایمان

موانع التکفیر

تولي اور موالات

الشیخ گل محمد حفظہ اللہ

مجاہدین اور عام مسلمانوں کے لئے بہترین تحفہ

گھروں اور مراکز میں تعلیم کیلئے ایک بہترین نصاب

افراط وتفریط سے پاک عام فہم اور مدلل

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (النحل:۵۲)

حصہ دوم

(عقیدہ و نظریہ، نواقضِ ایمان، موانعِ تکفیر، تولی اور موالات)

الشیخ گل محمد حفظہ اللہ

- مجاھدین اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک بہترین تحفہ
- گھروں اور مراکز میں تعلیم کے لیے ایک بہترین نصاب
- افراط و تفریط سے پاک عام فہم اور مدلل

پیشکش مکتبہ عمر

تحریکِ طالبان پاکستان

umar.media.ttp@protonmail.com www.umarmediattp.com

فہرست

مقدمہ

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرۃ:۱۴۳)

امتِ محمدیہ ﷺ کو اللہ عزوجل نے اپنے کلام میں "امتِ وَسَط" فرمایا ہے، اور اس کے لیے افراط و تفریط سے پاک صراطِ مستقیم منتخب کیا، اور اس کو اس پر عمل پیرا رہنے کا حکم فرمایا، اور اسی میں انسانیت کی دینوی و اخروی فلاح کو منحصر کر دیا۔ اس صراطِ مستقیم کی وضاحت کے لیے صحابہ کرام اور ان کے شاگردوں کی صورت میں ایک نمونہ آئندہ آنے والی نسلوں کے سامنے پیش کیا اور ان ہی کو حق اور کامیابی کا معیار قرار دیا، جیسا کہ فرمایا:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (البقرۃ:۱۳۷)

یعنی اگر لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی طرح کا ایمان لائیں، ان کے عقائد و اعمال کو اپنائیں تو کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام راستوں کو گمراہی قرار دیا۔

نبیِ آخرِ زماں خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت تہتر (73) فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک ان میں سے جنت میں جائے گا باقی سب جہنمی ہوں گے، اور اس جنتی فرقے کے بارے میں فرمایا کہ یہ وہ ہوگا کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے دین یعنی عقائد و اعمال پر ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ و تابعین نے شریعتِ مطہرہ کا جو سفید چشمہ ابتداءِ اسلام میں جاری کیا تھا، وقتاً فوقتاً اس میں افراط و تفریط اور غلو پر مبنی بدعی اور شرکی عقائد و نظریات کی کدورت اور گدلا پن شامل ہوتا رہا، جس کی بنیاد پر مختلف نظریات پر مبنی متعدد فرقے اور جماعتیں وجود میں آئیں اور ہر زمانے میں اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور ان کے شاگرد تابعین اور تبع تابعین کی جماعت کو اور ان کی تعلیمات کی پیروی کرنے والوں کو اہلِ سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔

اسلام کے شروع سے ہر زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اسلام کی تعلیمات کو اپنی اصل حالت سے بدل کر اختیار کیا۔ بعضوں نے اس میں اضافے کیے اور غلو کا راستہ اختیار کیا جبکہ بعض نے اس میں کمی کی اور تفریط کا راستہ اختیار کیا۔

اللہ تعالی نے اس دین کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے اور اس کے لیے ہر دور میں ایسے افراد پیدا کیے جو کہ غلو اور افراط و تفریط کے درمیان اہلِ سنت والجماعت کا موقف اور تعلیمات اختیار کیے رہے اور اپنے شاگردوں کے ذریعے اپنا صحیح منہج و نظریہ آئندہ آنے والی نسلوں کی طرف سینہ بسینہ منتقل کرتے رہے۔

جس شخص کو اہلِ سنت والجماعت کا منہج سمجھ آجائے اور وہ اس پر استقامت اختیار کرلے تو یہ اس پر اللہ عزوجل کا ایک بڑا انعام اور فضل ہے۔ خصوصا ہمارے اس دور میں کہ جس میں ہر طرف فتنوں کا ایک سیلِ رواں ہے، حتی کہ دین کے نام پر گمراہ کن فتنے دیگر فتنوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ایسے میں اہلِ سنت والجماعت کے معتدل منہج کو سمجھنا اور اس کو اختیار کرکے اس پر استقامت حاصل کرنا ایک مشکل کام ہے۔

موجودہ زمانے میں ایک طرف تو بعض مسلمانوں کے، خصوصا بعض مجاھدین کے نظریات میں اتنا غلو پیدا ہوگیا کہ انہیں مطلّقا خوارج کہا جاسکتا ہے۔دوسری طرف مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا کہ جو مرجئہ کے وارثین میں شمار ہونے لگے۔

زیرِ نظر کتاب "شرعی دورہ" (حصہ دوم) اسی فکر کو سامنے رکھتے ہوئے مرتب کی گئی ہے کہ اس کے ذریعے قارئین کے سامنے افراط و تفریط اور غلو سے پاک اہلِ سنت والجماعت کا صحیح منہج مجاھدین اور تمام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

شرعی دورے کا یہ دوسرا حصہ درج ذیل چار موضوعات پر مشتمل ہے:

۱۔ عقیدہ و نظریہ 2۔ نواقض الایمان 3۔ موانع التکفیر 4۔ تولی اور موالات

ایک اہم بات جس کا جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ اہلِ سنت کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر جماعت اور ہر مسلک میں اہلِ سنت ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر جماعت اور ہر مسلک کے لوگوں میں خوارج اور مرجئہ اور دیگر گمراہ کن نظریات رکھنے والے افراد ہو سکتے ہیں۔ جو حضرات صرف اپنی جماعت یا اپنے مسلک کو اہلِ سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور دیگر جماعتوں اور مسالک کو اس سے باہر قرار دیتے ہیں وہ سخط غلطی پر ہیں۔ کیوں کہ اہلِ سنت کسی خاص جماعت کا نام نہیں بلکہ یہ ہر زمانے میں ان لوگوں کا نام ہے جو صحابہ اور ان کے شاگرد تابعین و تبع تابعین کے عقائد و نظریات پر ہوں، چاہے وہ اپنے زمانے میں کسی بھی جماعت یا مسلک سے منسلک ہوں۔اس بات کو سمجھنا اور اپنے سینوں کو فراخ کرنا بے حد ضروری ہے۔اس کے بغیر امتِ مسلمہ کا ایک جسم کی مانند بننے اور خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالی ہمیں اہلِ سنت والجماعت کے منہج کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔آمین

وآخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین

عقیدہ اور نظریہ

الحمد للّٰہ الذی شَرَّفَنَا بعقیدۃ التوحید والایمان وعلَّمناسبیل النجات باالسنۃ والقرآن وصلاۃ اللہ وسلامہ علی من ینادی للایمان حامل اعبأ النبوۃ والاحزان وعلی اصحابہ واتباعہ الراسخین باالایمان الذین حطُّوا رِحالھم فی الجنان اما بعد فاعوذ بااللہ من الشیطان الرجیم قال اللہ تبارك و تعالیٰ اٰمنوا کما اٰمن النَّاسُ وقال تعالیٰ فان اٰمنُو بمثلِ مااٰمنتم بہ فقدِ اھْتدوا

دنیااور آخرت کی کامیابی کاذریعہ صحیح اور قوی ایمان ہے۔اسی وجہ سے اللہ تعالی ہم سے ایمان کا مطالبہ کرتے اور ہمیں اس کی دعوت دیتے ہیں کہ اٰمِنُوْا۔ نبی ﷺ اور قرآن ہمارے لیے ایمان کے اعلان کرتے ہیں:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ (النساء:۱۹۳)

یقینا ہم نے سن لیا ایک اعلان کرنے والے کو کہ جو ایمان کی طرف بلاتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔

اللہ تعالی ہم سے صحیح ایمان اور صحیح عقیدے کا مطالبہ کرتے ہیں:

اللہ تعالی ہم سے مطلق ایمان کا مطالبہ نہیں کرتے، کیوں کہ مطلق ایمان اور ظاہری ایمان تو منافقوں کا بھی تھا۔ بلکہ اللہ تعالی ہم سے اس ایمان کا مطالبہ کرتے ہیں جو ایمان صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کا تھا، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ (البقرۃ:۱۳)

ایسا ایمان لاؤ جیسا کہ صحابہ کرام لے کر آئے

یعنی ان کا ایمان اخلاص، ایثار، جذبہ و قربانی اور اللہ عزوجل کے حکموں پر فوری عمل کرنے کا تھا۔اسی کا مطالبہ اللہ تعالی ہم سے کرتے ہیں۔ انہوں نے جس طرح ہجرتیں کیں، جہاد کیا، انہیں زخم پہنچے، شہید ہوئے، دین کی وجہ سے انہیں تنگ کیا گیا اور جھنجھوڑا گیا، لیکن وہ اپنی بات اور اپنے موقف پر موت تک ثابت قدم رہے۔اسی کا مطالبہ اللہ تعالی ہم سے بھی کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا

سو اگر وہ ایمان لے آئیں جیسا کہ تم لوگ یمان لائے ہو اس کتاب پر تو ہدایت پا جائیں گے۔

اللہ تعالی نے صحابہ کے ایمان کو معیار بنایا ہے ہمارے ایمان کے لیے۔

کبھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ

کیا تم لوگ گمان کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تک نہیں آئے تم پر حالات ان لوگوں کے جو تم سے پہلے گزرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پچھلے مؤمنوں کی طرح قربانیوں اور حالات کے لیے تیار ہو گے تو پھر جنت میں داخل ہو گے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ ہم سے صحیح ایمان اور صحیح نظریے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ عقیدہ اتنی اہم چیز ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس امت میں تہتر (73) گروہ بنیں گے، جس میں سے بہتر (72) جہنم میں جائیں گے۔

وجہ اس کی یہ ہو گی کہ ان کے عقیدے میں فرق ہو گا۔ اگرچہ ان میں بڑے بڑے علماء ہوں گے، جیسا کہ خوارج میں تین بے کار صفات تھیں لیکن تین اچھی صفات زھد، عبادت اور شجاعت بھی تھیں، لیکن پھر بھی جھنم میں جائیں گے کیوں کہ ان کے عقیدے میں فرق ہے۔

صحیح ایمان، عقیدے اور نظریے کے آثار

جب صحیح ایمان، عقیدہ اور نظریہ بن جائے تو اس کے بہت سے اثرات ہیں:

پہلا اثر:

ایک ان میں سے یہ ہے کہ اس کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ اس کا ہر قدم اور ہر حرکت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ صَلَاتِيۡ وَنُسُكِيۡ وَمَحۡيَايَ وَمَمَاتِيۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

یقیناً میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کہ تمام مخلوق کا پالنے والا ہے۔

یعنی میری بدنی اور مالی عبادت اور میری خیر اور نقصان سب کچھ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

دوسرا اثر:

دوئم یہ کہ ہر قربانی اس کے لیے آسان ہوتی ہے اور اللہ کے لیے سب کچھ برداشت کرتا ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قتلي شهادة ونفيي سياحة وسجني خلوة

یعنی دشمن مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ یا تو مجھے مار دے گا تو یہ شہادت ہے، یا مجھے ملک بدر کر دے گا تو یہ سیاحت ہے، یا مجھے جیل میں ڈال دے گا تو یہ خلوت ہے (عبادت کے لیے)۔

چناں چہ مؤمن کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ میری ہر حالت میرے فائدے میں ہے، جیسا کہ کسی کوّے کو ہوا اُڑا کر لے جا رہی تھی تو کہنے لگا کہ کوئی بات نہیں میرا وہاں بھی ایک کام ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل اور ان کے ساتھیوں، حافظ ابن تیمیہ اور شمس الائمہ سرخسی رحمھم اللہ نے جیلوں میں وقت گزارا۔

سَلَف صالحین کے واقعات:

1۔ سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنی جان اللہ کی رضا کے لیے قربان کرنا مکھی کی جان سے بھی آسان ہے۔

2۔ ابو یعقوب البویطی رحمہ اللہ جو کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، خلق القرآن کے مسئلے میں ہتھکڑیوں میں جکڑ لیے گئے تھے۔ فرماتے تھے:

والله لاموتن فی حدیدی هذا حتی یأتی من بعدی قوم یعلمون انه قد مات فی هذا الشان قوم فی حدید هم

یعنی قسم ہے اللہ کی! میں انہیں ہتھکڑیوں میں مروں گا۔ تاکہ میرے بعد آنے والے لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس دین کی وجہ سے لوگ ہتھکڑیوں میں بھی مرے ہیں۔ اور اگر میں واثق بادشاہ کے سامنے گیا تو میں اس کو حق بات کہوں گا، پھر جیل میں ان کی وفات ہوئی۔

3۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے تھے کہ مجھے گھر اور جیل ایک ہی چیز لگتی ہے۔ مجھے جیل کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور نہ ہی قتل سے ڈرتا ہوں۔ البتہ کوڑوں سے ڈرتا ہوں کہ شاید برداشت نہ کر سکوں۔

4۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ساتھی شیخ احمد بن نصر الخزاعی رحمہ اللہ کو واثق بادشاہ نے ہتھکڑیاں لگا کر گرفتار کر لیا اور سر میں رسی ڈال کر کھینچا اور پھر تلوار سے گردن جدا کر دی۔ ان کا بدن سامراء شہر میں کھڑا کر دیا اور سر چھ سال تک بغداد میں لٹکا کر رکھا۔ پھر چھ سال بعد بدن اور سر ایک جگہ کیے گئے اور پھر دفن کیے گئے۔

5۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے استاذ شیخ ابو نعیم رحمہ اللہ نے خلق القرآن کے مسئلے کے بارے میں گورنر سے کہا:

القرآن کلام الله وعنقی اهون من زِرّی هذا

قرآن اللہ کا کلام ہے اور مجھے اپنی گردن کی قربانی دینا اپنے اس بٹن سے بھی زیادہ آسان ہے۔

6۔ نعیم بن حماد رحمہ اللہ سامراء شہر میں تقریباً چار سال قید رہے۔ انہوں نے اس بات کی وصیت کی ہوئی تھی کہ مجھے ہتھکڑیوں کے ساتھ دفن کرنا اور کہتے تھے کہ انی مخاصمہ یعنی میں قیامت کے دن اِن پر کیس چلاؤں گا۔

جب ان کی وفات ہوئی تو ایک گڑھا ان کے لیے کھودا گیا اور ہتھکڑیوں کے ساتھ ہی اس میں ڈال دیا گیا۔ کفن اور جنازے کا انتظام بھی ان کے لیے نہ کیا گیا۔

بہر حال جس کا مقصد اللہ کی رضا ہو اس کا ہر کام اللہ تعالی کے لیے ہوتا ہے اور اس کے لیے ہر قربانی اسان ہوتی ہے۔

تیسرا اثر:

صحیح عقیدے و ایمان اور نظریے کا تیسرا اثر یہ ہے کہ یہ شخص اپنی بات اور عقیدے پر ثابت قدم رہتا ہے۔ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ اس پر جو بھی حالات آتے ہیں یہ ان پر ثابت قدم رہتا ہے اور ہر حالت میں اپنا کام جاری رکھتا ہے، چاہے گھر میں ہو یا صحراء میں، چاہے جیل میں ہو یا آزاد، چاہے امریکہ و برطانیہ میں ہو یا چین و جاپان وغیرہ میں۔

یوسف علیہ السلام جیل میں دعوت دیتے اور کنویں میں اللہ کو یاد کرتے۔ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں، ایوب علیہ السلام بیماری میں اور بلال رضی اللہ عنہ سخت سزاؤں میں اَحَد اَحَد کہتے۔

اللہ تعالی نے مؤمن کے عقیدے کی تشبیہ کھجور کے درخت سے دی ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ

اللہ تعالی مضبوط قول کی برکت سے (جو کہ کلمہ طیبہ ہے) مؤمنوں کو مضبوط رکھتے ہیں دنیوی زندگی اور آخرت میں۔

یعنی کلمۂ توحید کی برکت سے اللہ تعالی مؤمن کو مضبوط رکھتے ہیں۔

تفسیرِ مدارک میں مذکور ہے کہ یہاں تک کہ ان پر امتحان بھی آجائیں تو بھی وہ مضبوط رہتے ہیں، جیسا کہ وہ مؤمنین جنہیں اصحاب الاخدود عذاب دے رہے تھے اور وہ مضبوط تھے یا اسی طرح دیگر واقعات۔ (مدارک ص:122 ج:2)

چناں چہ صحیح عقیدے والا ریمانڈوں کے وقت میں بھی اپنی بات پر مضبوط رہتا ہے۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ اس آیت میں وفی الآخرۃ سے مراد قبر ہے۔ یعنی اگر قبر میں اس سے سوال کیا جائے تو یہ ثابت قدم رہے گا اور صحیح جواب دے گا۔ حاصل یہ ہوا کہ صحیح عقیدے والا جیسا کہ دنیا میں اپنی بات پر ثابت قدم تھا تو اسی طرح قبر اور قیامت میں بھی ثابت قدم رہے گا۔

حدیثِ ہرقل:

حدیثِ ھرقل میں اتا ہے کہ ھرقل نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ اور صحابہ کرم کے بارے میں کچھ سوالات کیے تھے۔ایک سوال یہ تھا:

فهل يرتدُّ احدٌ منهم سخطة لدينه بعد ان يدخُل فيه

کیاان میں سے کوئی شخص دین کو برا جاننے کی وجہ سے اس میں داخل ہونے کے بعد مرتد ہوتا ہے؟

ابوسفیان نے جواب دیا کہ لا (نہیں) یعنی ان کے ساتھی اپنے دین پر مضبوط ہیں اور اس سے نہیں پھرتے۔

توھرقل نے کہا:

وكذالك الايمان حين تخالط بشاشته القلوب

یعنی ایمان اسی طرح ہوتا ہے کہ جب ایمان کی تروتازگی دلوں میں گھل جائے۔

یعنی صحیح ایمان والا اپنی بات سے نہیں پھرتا۔

حدیثِ خُبَیب ابن الارت رضی اللہ عنہ:

حدیثِ خبیب ابن الارت رضی اللہ عنہ میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قد كان من قبلكم يؤخذُ الرَّجل فيحفرُ له في الارضِ ثم يؤتيٰ بالمنشارِ فيجعل على رأسه فيجعل فرقتين مايصرفه ذلك عن دينه ويمشط بامشاطِ الحديد مادون عظمه من لحمٍ وعصبٍ مايصرفهُ ذالك عن دينه

یقیناتم سے قبل ایسے مؤمنین تھے کہ ایک شخص کو پکڑ لیا جاتا، پھر اس کے لیے زمین میں ایک گڑھا کھودا جاتا، پھر آرالایا جاتا، اس کے سر پر رکھ کراسے دو ٹکڑے کر دیا جاتا لیکن اس کی وجہ سے وہ اللہ کے دین سے نہیں پھرتے تھے، اور لوہے کے کنگوں سے ان کے گوشت کو نوچا جاتا، لیکن اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں چھوڑتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب صحیح عقیدے اور صحیح ایمان والا شخص ہو تو وہ اپنے دین اور اپنے موقف کو نہیں چھوڑتا، اگرچہ اس کا بدن دو ٹکڑے کر دیا جائے اور اس کا گوشت نوچ لیا جائے۔

لھذا کوشش یہ کرنی چاہیے کہ صحیح عقیدے والے لوگ تیار کیے جائیں لیکن اس میں وقت لگتا ہے۔اس کے لیے قرآن و حدیث کے مطابق ذہن سازی کی ضرورت ہے۔

عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ :

عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قیساریہ کے غزوات میں رومیوں نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا۔ نصرانیوں کے بادشاہ نے ان سے کہا کہ نصرانی ہو جاؤ ورنہ دیگ میں پھینک دوں گا۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے اس کو جواب دیا کہ نصرانیت نہیں قبول کر سکتا۔

بادشاہ نے ایک تانبے کی دیگ میں تیل ڈال کر اس کو جوش کروایا اور ایک مسلمان قیدی کو بلا کر اس سے کہا کہ نصرانیت قبول کرو۔ اس مسلمان نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اس مسلمان کو دیگ میں ڈال دیا فاذا عظامه تلوح (تو اس کی ہڈیاں ظاہر ہو گئیں)۔

پھر اس نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نصرانی ہو جاؤ ورنہ دیگ میں ڈال دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ نصرانیت نہیں قبول کر سکتا۔ بادشاہ نے کہا کہ اسے بھی دیگ میں ڈال دو۔ جب انہیں دیگ میں ڈالا جانے لگا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

بادشاہ نے جب ان کا رونا دیکھا تو کہا کہ انہیں واپس میرے پاس لاؤ۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ یہ گمان نہ کرنا کہ میں سزا کے ڈر سے رونے لگا ہوں بلکہ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ کاش میرے بدن میں جتنے بال ہیں ان کی تعداد کے مطابق میری روحیں ہوتیں اور ان سب کے ساتھ اسی طرح کیا جاتا۔

بادشاہ بہت حیران ہوا جیسا کہ آج کل لوگ مجاھدین کی قربانیاں دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ بادشاہ کے دل میں یہ بات آئی کہ میں انہیں آزاد کر دوں۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ میں تمہیں آزاد کر دوں گا لیکن تمہیں میرا سر چومنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کام نہیں کر سکتا۔

بادشاہ نے کہا کہ اپنی آدھی بادشاہی بھی دوں گا اور اپنی بیٹی سے بھی نکاح کرا دوں گا مگر نصرانی ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ یہ بھی نہیں کر سکتا۔

بادشاہ نے کہا کہ تمہیں بھی آزاد کر دوں گا اور تمھارے ساتھ اسّی مسلمان بھی آزاد کر دوں گا مگر اس کے لیے تمہیں میرا سر چومنا پڑے گا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اما هذا فنعم ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ پھر انہوں نے بادشاہ کا سر چوما اور اسّی مسلمانوں کو آزاد کرا لیا۔

جب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو وہ ان کے لیے کھڑے ہو گئے اور ان کا سر چوما۔ جب صحابہ کرام عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہتے کہ تم نے ایک کافر کا سر چوما تو وہ جواب دیتے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالی نے اسّی مسلمانوں کو رہائی عطاء فرمائی۔

صحیح ایمان کا ایسا عجیب اثر ہوتا ہے کہ بادشاہ نے پہلے دھمکی دی، پھر آزادی، بادشاہت اور نکاح کی لالچ دی لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دھمکی اور لالچ کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اپنے دین اور ایمان پر ثابت قدم رہے۔ لیکن پھر دیگر قیدیوں کی رہائی کی خاطر بادشاہ کا سر چوما جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا شکریہ بھی اداء کیا۔

جادوگروں کا واقعہ:

جب فرعون نے جادوگروں کو دھمکی دی کہ ہاتھ اور پیر ادل بدل کاٹ دوں گا اور پھر سولی پر لٹکا دوں گا تو انہوں نے اس دھمکی کی کچھ پروا نہیں کری اور کہا:

لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (کوئی پرواہ نہیں ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔)

جس کا مقصد اللہ تعالی کی رضا ہو تو وہ ہاتھ اور پاؤں کے کٹنے اور پھانسی کی پرواہ بھی نہیں کرتا۔

خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

خبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فلستُ اُبالی حین اُقتل مسلما　　علی ایِّ شقٍّ کان للّٰہ مصرعی

وذالِك فی ذات الالٰہِ وان یشأ　　یُبارك علی اوصالِ شلوٍ ممزَّعی

"یعنی مجھے کوئی پرواہ نہیں قتل ہونے کی اگر میں مسلمان ہوں کہ اللہ تعالی کے لیے کس طرف میرا گرنا ہو اور یہ قتل اللہ تعالی کے دین میں ہو۔ اگر اللہ تعالی چاہیں تو برکت ڈال دیں ان ٹکڑے ٹکڑے اعضاء کے جوڑوں میں۔"

جس کا مقصد اللہ کی رضا ہو اور وہ صاحبِ ایمان و عقیدہ و نظریہ ہو تو وہ موت کی کوئی پرواہ نہیں رکھتا۔ اُس کو اِس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس حالت میں مرتا ہے۔

صحیح عقیدے، ایمان اور نظریے کے بارے میں یہ کچھ آیات، احادیث اور واقعات تھے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ایمان کو صحیح کریں اور صحیح عقیدہ اور بظریہ بنائیں اور صحیح عقیدے اور نظریے والے افراد تیار کریں اور لوگوں کو صحیح سوچ و فکر اور نظریہ دیں۔

بارك اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم

نواقضِ ایمان

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد و آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

دین کی بنیاد صحیح ایمان اور صحیح عقیدے پر ہے۔جس کا عقیدہ صحیح ہوگا اس کا عمل بھی صحیح ہوگا اور اللہ تعالی کو مقبول ہوگا، اور جس کا عقیدہ اور نظریہ صحیح نہ ہوگا تو اس کا عمل بھی صحیح نہ ہوگا اور اللہ تعالی کو مقبول نہ ہوگا۔

صحیح عقیدے کے کچھ نواقض یعنی اس کو توڑنے والی چیزیں ہوتی ہیں، جیسا کہ وضوء کی کچھ نواقض ہوتی ہیں، جیسا کہ کوئی شخص وضوء کرے لیکن جب قضائے حاجت کرتا ہے تو اس کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔اسی طرح نماز اور روزہ بھی بعض کاموں سے ٹوٹ جاتے ہیں۔لھذا جس طرح وضوء، نماز اور روزہ وغیرہ ٹوت جاتے ہیں اسی طرح ایمان بھی کچھ چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے۔جن چیزوں سے ایمان ٹوٹ جاتا ہے انہیں نواقض الایمان کہا جاتا ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا ایمان ٹوٹ چکا ہوتا ہے مگر ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ میں اب بھی مؤمن ہوں۔مجھ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ کیا تیمّم قضائے حاجت کرنے سے ٹوٹ تاہے یا نہیں؟میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اس شخص کو تیمّم اتنی قوی چیز لگ رہی ہے کہ جو قضائے حاجت سے بھی نہیں ٹوٹتا۔

بعضے لوگوں کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ ان کا ایمان کئی طریقوں سے نقض ہو چکا ہوتا ہے پھر بھی ان کا خیال ہوتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔خصوصا ہمارے اس دور میں کہ جس میں کفر، شرک اور ارتداد کا ایک سیل رواں ہر جانب بہہ رہا ہے۔

اس وجہ سے نواقضِ ایمان کا جاننا بہت ضروری ہے۔بعض علماء یہ وصیت کرتے تھے کہ نواقض الایمان پڑھو اور کوشش کرو کہ ایمان اور کفر پہچانو۔

جیسا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے کاموں کے بارے میں پوچھتے تھے اور میں شر کے کاموں کے بارے میں پوچھتا تھا، اس غرض سے کہ اپنے آپ کو اس سے بچاؤں۔اس لیے نواقضِ ایمان کا جاننا ضروری ہے تاکہ ان سے اپنے آپ کو بچایا جاسکے۔

علماء نے عقیدے کی کتابوں میں وہ اسباب اور کام ذکر کیے ہیں جن سے ایمان ٹوٹ جاتا ہے۔فقہ کی کتابوں میں باب حکم المرتد کے عنوان کے تحت اس کے مسائل اور احکام ذکر کیے گئے ہیں اور اس کو بہت اہتمام سے ذکر کیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے کافروں کا راستہ واضح ہوتا ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ

اسی طرح ہم بار بار بیان کرتے ہیں آیات، تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔

مجرموں کا راستہ اللہ تعالیٰ اس لیے واضح کرتے ہیں تاکہ اسلام اور کفر ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور مسلمان سیدھا راستہ پہچان لیں اور اپنے دین پر بصیرت کے ساتھ عمل کریں۔ کیوں کہ اگر کسی کو غلط راستے کا معلوم نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس کو اختیار کر لے، جیسا کہ ایک آدمی کفر اور ارتداد نہ پہچانے تو ہو سکتا ہے کہ کافر اور مرتد ہو جائے۔

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

يوشك ان تنقض عرى الاسلام عروة عروة اذا نشأ في الاسلام من لا يعرف الجاهلية

(بحوالہ المفصل في شرح حديث من بدل دينه فاقتلوه ص ۷۹)

عنقریب اسلام کی کڑیاں ایک ایک کرکے ٹوٹ جائیں گی۔ اُس وقت کہ جب اسلام میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو جاہلیت کو نہ جانتا ہو۔

قرآن و حدیث میں نواقضِ ایمان جگہ جگہ مذکور ہیں۔ اسی طرح فقہ کی کتابوں میں حکم المرتد اور اور احکام المرتدین کے ابواب مذکور ہیں۔ بعضے علماء نے اس پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں ۔

یہ نواقض کسی نے زیادہ ذکر کیے ہیں اور کسی نے کم۔ کسی نے چار سو تک ذکر کیے ہیں اور کسی نے اسّی۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ وہ نواقض ذکر کریں گے جو کہ بہت اہم اور خطرناک نواقض ہیں اور اکثر یہی نواقض لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

ناقض کا معنی:

ناقض کا معنی توڑنے والا اور باطل کرنے والا ہے۔ یعنی جب یہ کسی انسان میں پائے جائیں تو اس کا اسلام ختم ہو جاتا ہے اور وہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی جان اور مال مباح ہو جاتا اور اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اس کا جنازہ نہیں پڑھایا جاتا اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں بھی دفن نہیں کیا جاتا۔

پہلا ناقض: شرک

شرک کا معنی:

شرک اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربوبیت یا الوہیت یا اسماء و صفات میں کسی کو شریک مقرر کیا جائے۔ ان میں سے شرک فی الالوھیت بہت عام ہے، شرک فی الربوبیت اور شرک فی الاسماء والصفات کی بنسبت۔

اکثر پچھلی امتیں اور بعض اس امت کے لوگ بھی شرک فی الالوھیت کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ اللہ تعالی کی ربوبیت کا انکار نہیں کرتے تھے۔ وہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالی رب ہے، خالق و رازق ہے اور زندگی اور موت اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے، لیکن وہ لوگ شرک فی الالوھیت کرتے اور بعضی عبادتیں غیر اللہ کے لیے کرتے تھے۔

شرک کی مثالیں:

شرک کی مثالیں یہ ہیں، جیسا کہ کوئی شخص کسی ولی یا کسی قبر کے نام پر جانور ذبح کرے، یا اللہ کے علاوہ کسی اور سے مافوق الاسباب مدد مانگے، یا اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کے لیے رکوع یا سجدہ عبادتا کرے، یا کسی ولی کی قبر کا طواف عبادتا کرے۔

یا اولیاء کرام کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ وہ کسی کو نفع یا ضرر پہنچا سکتے ہیں، جیسا کہ اولاد دے سکتے ہیں، صحت اور مالداری دے سکتے ہیں، یا اللہ تعالی کے حکم کے مقابلے میں باطل پیروں اور باطل علماؤں کی بات عقیدتا مانے۔ یا اللہ تعالی کے حکم کے مقابلے میں افسر یا کسی حاکم کا حکم عقیدتا مانے۔ یا کسی کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ اس کو قانون اور نظام بنانے کا حق حاصل ہے۔ یا کسی کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ یہ غیبدان ہے اور غیب کی باتوں کا اس کو علم ہوتا ہے یا یہ میرے حال سے باخبر ہے۔

دوسرا ناقض: اللہ تعالی اور اپنے درمیان واسطے مقرر کرنا

وہ شخص جو اپنے اور اللہ تعالی کے درمیان ایسے سفارشی اور واسطے مقرر کرتا ہے کہ جن کے بارے میں اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ سبحانہ وتعالی ان واسطوں اور سفارشیوں کی سفارش رد نہیں کر سکتا اور اللہ تعالی ان کی محبت اور وجاہت سے مقہور و مجبور ہے، تو ایسا شخص امت کے اتفاق سے کافر ہے۔ اس قسم کی سفارش کو شفاعتِ قہریہ اور شرکیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ دوسرا ناقض بھی پہلے میں داخل ہے کیوں کہ یہ شرک کی ایک قسم ہے۔ لیکن وہ عام تھی اور یہ خاص ہے۔ اس کو الگ سے اس لیے ذکر کیا کیوں کہ یہ بہت اہم ہے اور دوسرا یہ کہ بہت سے لوگ اس شرک میں گھرے ہوئے ہیں۔

مثال:

اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی ولی یا قبر والے کو پکارے اور کہے کہ اے فلانے میری سفارش کرو، کبھی کہے کہ میں تمہیں کہتا ہوں اور تم اللہ سے کہو، کبھی کہے کہ ہم اللہ تعالی سے براہِ راست نہیں کہہ سکتے، ہم ان سے کہتے ہیں اور وہ اللہ تعالی سے کہتے ہیں، جیسا کہ انسان جب بادشاہ یا وزیرِ اعظم سے ملنا چاہتا ہے تو وہ پہلے ممبروں سے یا نچلے افسروں سے کہتا ہے۔ جیسا کہ مشرکین کہتے تھے:

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس:۱۸) (یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالی کے ہاں)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ مشبہ تھے جو کہ خالق کی تشبیہ مخلوق سے دیتے تھے۔(مجموع الفتاوی ص:126)

اسی وجہ سے اللہ تعالی اس قسم کے لوگوں پر رد فرماتے ہیں کہ " فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ " (النحل:۷۴) (اللہ تعالی کے لیے مثالیں نہ بیان کرو)، یا " لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ " (اللہ تعالی کی کوئی مثل نہیں ہے)، یا "وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" (اخلاص:۴) (اللہ تعالی کے لیے کوئی بھی مثل نہیں)۔ مخلوق بے خبر ہوتی ہے اور ہر چیز پر قدرت نہیں رکھتی اور خالق ہر چیز سے باخبر ہوتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تیسرا ناقض: ہر وہ شخص جو مشرکوں کو کافر نہ مانے یا ان کے کفر میں شک کرے یا ان کے مذہب کو صحیح جانے تو وہ کافر ہے

مشرکوں سے مراد تمام کافر ہیں۔ چاہے یہودی ہوں یا نصرانی یا بت پرست یا کسی اور قسم کے کافر۔

مشرکین کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ وہ کافر ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ مشرکین کافر نہیں ہیں تو خود سے کافر ہو جائے گا۔

یا کوئی شخص ان کے کفر میں شک کرے، جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کافر ہیں یا نہیں کیوں کہ ان پر بھی کتابیں نازل ہوئی ہیں، یہودیوں پر تورات، نصرانیوں پر انجیل اور مسلمانوں پر قرآن نازل ہوا ہے۔ ایسا شخص بھی کافر ہے۔

یا کوئی شخص ان کے مذہب کو صحیح سمجھے، جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ یہود کا دین بھی صحیح ہے، نصاری کا دین بھی صحیح ہے۔ یا کوئی شخص کہے کہ ہر کسی کو آزادی حاصل ہے، یہ جمہوریت ہے، ہر کسی کی اپنی مرضی ہے کہ یہودیت اختیار کرے یا نصرانیت یا مسلمان ہو جائے۔ یا کہے کہ ہم تمام دینوں اور مذاہب کا احترام کرتے ہیں اور یہ جائز ہے تو ایسا شخص بھی کافر ہے۔

دلائل:

پہلی دلیل:

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (البقرۃ:۲۵۶)

جس نے انکار کیا طاغوت کا اور ایمان لایا اللہ تعالی پر تو یقینا اس نے پکڑ لیا مضبوط کنڈا۔

اس آیت میں ایمان کی دو شرطیں بیان کی گئی ہیں:

1۔ طاغوت کا انکار

2۔اللہ پر ایمان

جو شخص مشرک کو کافر نہ سمجھے یا اس کے کفر میں شک کرے یا ان کے مذھب کو صحیح جانے تو اس نے کفر بالطاغوت یعنی طاغوت کا انکار نہ کیا۔ کفر بالطاغوت اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے علاوہ ہر معبود کا بائیکاٹ اور اس سے جدائی اختیار کرے اور اللہ تعالی کے علاوہ ہر چیز کی عبادت سے بائیکاٹ کرے، اس سے نفرت، بغض اور دشمنی کرے۔ ہر وہ شخص جو ان معبودوں کی عبادت کرے اس سے بھی بائیکاٹ کرے اور اس سے بغض اور دشمنی کرے۔ لھذا ہر کافر سے بغض اور دشمنی کرنا فرض ہے۔

جب یہ دونوں کام جمع ہو جائیں یعنی کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ تو پھر آپ موحّد شمار ہوں گے۔ لاالہ الّاالله کا معنی بھی یہی ہے۔ لاالہ کفر باالطاغوت ہے اور الّا الله ایمان باللہ ہے۔ نفی اور اثبات دونوں ہیں۔

اسی طرح اس میں تخلیہ اور تحلیہ دونوں ہیں۔ اول تخلیہ (خالی کرنا) ہے۔ یعنی غیر اللہ کی عبادت سے نفی اور پھر تحلیہ (سنوارنا) ہے۔ یعنی اللہ تعالی کے لیے عبادت کو سنوارنا۔

اگر کوئی شخص اللہ تعالی پر ایمان رکھتا ہے اور ایک اللہ کی بندگی کرتا ہے لیکن کفر بالطاغوت نہیں کرتا، غیر اللہ کی عبادت کی نفی نہیں کرتا تو یہ موحّد نہیں ہے۔ موجودہ دور میں صحیح معنوں میں موحّدین مجاھدین ہیں۔ کیوں کہ مجاھدین ایک طرف تو اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہیں اور دوسری طرف طاغوت سے بائیکاٹ اور جنگ میں ہیں۔ مجاھدین کے علاوہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالی پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن طاغوت سے بائیکاٹ نہیں کرتے۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جہنمی ہیں، جیسا کہ :

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (البينة:٦)

یقینا وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اہل کتاب اور مشرکین میں سے وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے انہیں کافر اور جہنمی کہا ہے اور اگر کوئی کہے کہ یہ کافر نہیں تو یہ اللہ تعالی کے کلام کی طرف جھوٹ کی نسبت ہے۔

تیسری دلیل:

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ

یقینا کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہیں۔

چوتھی دلیل:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (الممتحنة:۴)

یقینا تمھارے لیے ابراہیم علیہ السلام میں بہترین نمونہ ہے اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے، جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ یقینا ہم جدا ہیں تم سے اور ہر اس چیز سے جس کی تم بندگی کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ۔ ہم انکار کرتے ہیں تمھارا، اور واضح ہو گئی تمھارے اور ہمارے درمیان دشمنی اور بغض ہمیشہ کے لیے۔

ان آیات میں ابراھیم علیہ السلام مشرکوں اور ان کے معبودوں سے بائیکاٹ اور دشمنی و بغض کا اوعلان کر رہے ہیں۔ لھذا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور توحید کے ساتھ بائیکاٹ اور دشمنی و بغض بھی ضروری ہے۔ یعنی ہر قسم کے کافر سے بائیکاٹ کرنا اور اس کو کافر سمجھنا ضروری ہے۔

پانچویں دلیل:

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من قال لا الہ الا اللہ و کفر بما یعبد من دون اللہ حرم مالہ و دمہ و حسابہ علی اللہ

جس نے یہ کلمہ لا الہ الّا اللہ پڑھا اور انکار کیا ہر اس چیز کا جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے، تو اس کا مال اور جان حرام ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ ایمان باللہ کے ساتھ معبود من دون اللہ کا انکار بھی ضروری ہے اور اس وقت تک کسی شخص کی جان اور اس کا مال محفوظ نہیں ہو سکتا کہ جب تک وہ ایمان باللہ کے ساتھ "معبود من دون اللہ" کا انکار جمع نہ کرے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولهذا نكفِّر من دان بغير ملة الاسلام من الملل او وقف فيهم او شك او صحح مذهبهم وان اظهر مع ذالك الاسلام واعتقد ابطال كل مذهب سواه فهو كافر (الشفاء قاضی عیاض رحمہ اللہ ص ۱۰۷۱ ج ۲)

ہم ہر اس شخص کو کافر سمجھتے ہیں جو کہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر ہو، یا دیگر ادیان والوں کے بارے میں توقف یا شک کرے، یا کفار کا مذہب صحیح سمجھے۔ یہ شخص کافر ہے اگرچہ اسلام کا دعویٰ کرے اور اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اسلام کے علاوہ تمام ادیان باطل ہیں۔

فائدہ:

پچھلی بحث سے پتہ چلا کہ نواقضِ ایمان کا جاننا اور ان پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ بہت سے لوگ اس میں گمراہ ہو چکے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو حرية الاديان یا وحدة الاديان یا تقارب بين الاديان کے نام سے تحریکیں چلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر کسی کو آزادی ہے اور یہ تمام ایک ہی طرح کے دین ہیں اور ان دینوں اور مذاہب کے درمیان اتنا فرق نہیں ہے۔ یہ سب حق ہیں اور اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ نواقض بیان کرے تو کہتے ہیں کہ یہ تشدد کرتا ہے اور یہ قوموں اور مذاہب کے درمیان دشمنی پیدا کرتا ہے۔ حالاں کہ یہ بات واضح کفر اور ارتداد ہے۔ اسلام اور کفر کبھی بھی نہیں جمع ہو سکتے، اسلام اور کفر کے درمیان ہمیشہ دشمنی اور بائیکاٹ ہوگا۔

مذکورہ موضوع سے متعلق مسائل:

مسئلہ نمبر 1: کفار کی دو قسمیں

اس مسئلے کی نسبت سے کافروں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ جس کے کفر میں کوئی شک اور اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ یہود و نصاریٰ اور بت پرست۔ یہاں اسی قسم کے کافر مراد ہیں کہ اگر ان کو کوئی کافر نہ کہے یا ان کے کفر میں شک کرے تو وہ کافر ہے۔

دوسری قسم کے کفار وہ ہیں جن کے حکم میں اختلاف ہے کہ وہ کافر ہیں یا مسلمان، جیسا کہ کوئی شخص نماز چھوڑ دے تو بعضے علماء کہتے ہیں کہ نماز کا چھوڑنے والا کافر ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ کافر نہیں ہے۔ لہٰذا اس قسم کے شخص کو اگر کوئی کافر نہ کہے تو وہ کافر نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 2: کفار کی تعریف کرنے کا حکم

پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ جو شخص کفار کے مذہب کو صحیح سمجھے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اب اس بات کا بیان مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص کفار کی تعریفیں کرے تو اس کا کیا حکم ہوگا۔

جواب:

کفار کی تعریف کرنے کی تین قسمیں ہیں:

1۔ پہلی قسم یہ ہے کہ انسان کفار کی مطلّقا تعریف کرے اور ان کا مذھب اور قول و عمل اس کو صحیح لگے تو یہ ارتداد اور کفر ہے۔ کیوں کہ یہ ان کے ساتھ "موالاۃ" ہے اور ان کے مذھب کو صحیح قرار دینا ہے۔

2۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ان کی ایسی تعریف کرے جس میں ان کی تعظیم ہو، جیسا کہ ان کو سَر یا سید کہے تو یہ موالاۃ (دوستی) کی ایک قسم ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

اذا قلت للمنافق یا سیّد فقد اسخطتم ربکم

جب تم کسی منافق کو سیّد کہتے ہو تو اپنے رب کو ناراض کرتے ہو۔

3۔ تیسری قسم یہ ہے کہ ایک کافر میں اچھی اچھی صفات ہوں، جیسا کہ شجاعت، سخاوت، صداقت وغیرہ، اور کوئی شخص ان صفات کی بناء پر اس کی تعریف کرے تو اس قسم کی تعریف جائز ہے اور اس میں گناہ بھی نہیں، جیسا کہ ہم حاتم طائی کی سخاوت کی تعریفیں کرتے ہیں یا جیسا کہ عنترہ بن شداد کی شجاعت کی تعریفیں کرتے ہیں، حالاں کہ یہ دورِ جاہلیت کا مشرک تھا۔ لہٰذا اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

چوتھا ناقض:

یہ عقیدہ کہ نبی ﷺ کے طریقے کے علاوہ کسی اور کا طریقہ زیادہ کامل اور پورہ ہے یا کسی اور کا فیصلہ نبی ﷺ کے فیصلے سے زیادہ اچھا ہے، جیسا کہ کوئی شخص نبی ﷺ کے فیصلے سے طاغوت کا فیصلہ زیادہ بہتر سمجھے تو یہ شخص کافر ہے۔

حاصل یہ کہ نبی ﷺ کی شریعت سے کسی اور قانون کو اچھا جانے اور کہے کہ یہ قانون زیادہ اچھا ہے یا فائدہ مند ہے یا یہ زیادہ باعث امن ہے یا یہ موجودہ زمانے کے زیادہ مناسب ہے، تو یہ شخص بھی مسلمانوں کے اتفاق سے کافر ہے۔ چاہے یہ شخص اپنا فیصلہ قرآن و حدیث سے کرے۔

پھر اس میں یہ برابر ہے کہ دوسرا قانون جسے وہ بہتر سمجھتا ہے آسمانی مذاہب کی طرف منسوب ہو، جیسا کہ یہودیت یا نصرانیت، یا آسمانی مذاہب کی طرف منسوب نہ ہو بلکہ لوگوں کا بنایا ہوا ہو، جیسا کہ آج کل لوگوں نے خود سے قوانین بنائے ہوئے ہیں یا جیسے مختلف علاقوں کے رسم و رواج۔

مسئلے کی مختلف صورتیں:

اس مسئلے میں بہت سی صورتیں ہیں:

1۔ایک صورت یہ ہے کہ شریعت کے علاوہ دیگر قوانین یا فیصلے یا رسم و رواج کو نبی ﷺ کے طریقے سے بہتر جانے۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں کو برابر جانے۔

3۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ عقیدہ ہو کہ نبی ﷺ کا طریقہ اور قانون اچھا ہے لیکن اس کے علاوہ کسی اور قانون یا نظام سے فیصلہ کرنا بھی جائز ہے۔

یہ تمام صورتیں کفر ہیں چاہے فیصلہ قرآن اور حدیث کے مطابق ہی کیوں نہ کرے۔ کیوں کہ کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا حرام ہے لیکن اس شخص نے اس کو حلال جانا۔اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ زنا یا سود حلال ہے تو یہ شخص کافر ہے اگرچہ خود سے زناء یا سود نہ کرتا ہو۔

اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کا عقیدہ یہ ہو کہ یہ گناہ ہے تو یہ شخص گناہ گار ہے، مرتکبِ کبیرہ ہے لیکن کافر نہیں ہے۔ (ملخص من شرح العقیدہ الطحاویۃ ص ۳۰۸ ، نواقض الاسلام للراجحی من ص ۱۳)

مثالیں:

جیسا کہ آج کل نام نہاد مسلمان اپنی طرف سے رسم و رواج بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے علاقے یا ہماری قوم کا رواج اور طریقہ ہے۔

اسی طرح اپنی طرف سے قانون بناتے ہیں اور اس کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ مرد و عورت اگر اپنی رضا سے زناء کریں تو اس کی کوئی سزا نہیں ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو مالی یا بدنی تعذیر دی جائے گا۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ جمھوریت ہے، ہر کسی کو عقیدے اور نظریے کی آزادی ہے۔ مرتد کو نہیں مارا جائے گا، اس کو توبہ کا نہیں کہا جائے گا وغیرہ۔ کبھی کہتے ہیں کہ اگر شریعت اور اسلامی قانون پر عمل کریں گے تو دوسری قوموں سے پیچھے رہ جائیں گے، انگریزوں یا دیگر کافروں سے پیچھے رہ جائیں گے۔ یہ سب کفر کی باتیں ہیں۔

دلائل:

نبی ﷺ کے طریقے کے مقابلے میں کسی اور قانون کو عقیدتاً ماننا کفر ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نبی ﷺ کی ہر بات اللہ تعالی نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے بھیجی ہے۔ نبی ﷺ اپنی طرف سے باتیں نہیں کرتے بلکہ آپ کی ہر بات وحی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم:۳،۴)

نبی اپنی طرف سے باتیں نہیں کرتے۔ یہ وحی ہے جو ان کو کی جاتی ہے۔

نبی ﷺ کی شریعت کامل ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہے اور اس کو اللہ تعالی نے پسند کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (المائدۃ:۳)

آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین پورا کر دیا اور پورا کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمھارے لیے اسلام قانون کے اعتبار سے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اسلامی قانون کو قبول کرنا لازمی ہے اور اس کے علاوہ اللہ تعالی کو کوئی اور قانون منظور نہیں ہے، جیسا کہ:

وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (آل عمران:۸۵)

جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کیا تو اس سے کبھی بھی قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

شریعت کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا منافقین کی صفت ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَ قَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ

کیا آپ کو معلوم ہیں وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ لوگ ایمان لے آئے ہیں اس کتاب پر جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں۔ وہ ارادہ کرتے ہیں کہ فیصلے کے لیے طاغوت کے پاس جائیں حالاں کہ ان کو حکم کیا گیا تھا کہ اس کا انکار کریں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طاغوت ہر وہ چیز ہے جو قرآن اور حدیث کے علاوہ ہو۔

فائدہ:

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے علاوہ کسی اور قانون سے فیصلہ کرنا نفاق کی علامت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان پر طاغوت کا انکار فرض ہے۔ اس آیت میں طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے۔ یہ یہود کا ایک عالم تھا جو کہ قرآن و حدیث سے فیصلہ نہیں کرتا تھا تو اللہ تعالی نے اسے طاغوت فرمایا۔ چناں چہ جو لوگ قرآن و حدیث کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے بلکہ غیر اللہ کے قوانین سے جان بوجھ کر عقیدتاً فیصلے کرتے ہیں، وہ طاغوتی ہیں۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ایمان اور غیر شرعی قوانین سے فیصلہ کرنا دونوں جمع نہیں ہو سکتے:

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا

آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ ہر گز ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے مابین جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں، پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی اس فیصلے سے جو آپ کریں اور اس کو مکمل قبول کر لیں۔

فائدہ:

اس آیت میں ایمان کی تین شرطیں ذکر کی گئی ہیں:

1۔ فیصلہ نبی کے طریقے اور قانون سے ہو۔

2۔ اس پر ناراضگی نہ ہو۔

3۔ آئندہ بھی نبی کا فیصلہ قبول ہو۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ کسی اور قانون سے فیصلہ کرنا کفر ہے، جیسا کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدۃ:۴۴) [1]

اسی طرح کسی اور قانون سے فیصلہ کرنا ظلم ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدۃ:۴۵)

اسی طرح کسی اور قانون سے فیصلہ کرنا فسق ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (المائدۃ:۴۶)

پانچواں ناقضِ ایمان:

نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین کی کسی چیز کو برا جاننا اگرچہ اس پر عمل بھی کرتا ہو، کفر ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص دین کی کسی بات کو برا جانے تو وہ کافر ہے اگرچہ وہ اس پر عمل بھی کرے۔ اس کا یہ عمل اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

مثالیں:

[1]۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے تفصیل بیان کی ہے۔ اوپر اس کا جو خلاصہ اور مختلف صورتیں "شرح العقیدۃ الطحاویۃ" سے ذکر کی گئی ہیں اس کو ملحوظ رکھا جائے۔

مثلاً شریعت میں متعدد نکاح کرنا جائز ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کو برا جانے تو وہ کافر ہے اگرچہ وہ خود سے متعدد نکاح کرے۔اس وجہ سے عورتوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ اس کو برانہ جانیں۔

مسئلہ:

اگر کوئی شخص شریعت کا کوئی حکم ذاتی طور پر برانہ جانے بلکہ طبعی طور پر اسے برا لگے تو یہ شخص گناہ گار نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک شخص کو جہاد طبعاً برا لگتا ہو تو یہ گناہ گار نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (البقرة:٢١٦)

فرض کیا گیا ہے تم پر قتال حالاں کہ یہ تم کو برا لگتا ہے ۔

یا جیسے سردی میں انسان کو وضوء کرنا برا لگتا ہے تو یہ برا لگنا غیر اختیاری طور پر ہے نہ کہ اس طور پر کہ اللہ تعالی کا حکم اسے برا لگتا ہے۔ کیوں کہ یہ اقرار کرتا ہے کہ جہاد کرنا اور وضوء کرنا بہت ثواب کا کام ہے۔

اسی طرح اگر کسی عورت کو متعدد نکاح برے لگتے ہیں اس وجہ سے کہ اسے سوکن نہیں پسند یا اس وجہ سے کہ شوہر ناانصافی کرتا ہے، اور اللہ تعالی کے اس حکم کو برا نہیں سمجھتی تو اس میں گناہ نہیں ہے۔

دوسری مثال:

چور کا ہاتھ کاٹنا شریعت کا ایک حکم ہے۔ اگر کوئی شخص اس کو برا سمجھے تو وہ کافر ہے۔اسی طرح شرابی کو کوڑے مارنا اور دیگر احکام جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسی بھی حکمِ شرعی کو برا سمجھنا کفر ہے اور یہ منافقِ اعتقادی کی نشانی ہے۔

دلیل:

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (محمد:٩)

یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے برا جانا اس کو جو اللہ تعالی نے نازل کیا تو اللہ تعالی نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے انہیں کافر کہا ہے، اس وجہ سے کہ انہوں نے ان حکموں کو برا جانا جو کہ اللہ تعالی نے بھیجے تھے۔اسی وجہ سے ان کے اعمال بھی ضائع ہو گئے کیوں کہ کفر کی وجہ سے اعمال بھی برباد ہو جاتے ہیں۔

چھٹا ناقضِ ایمان:

جس نے رسول اللہ ﷺ کے دین میں سے کسی چیز جیسے ثواب یا عذاب کا مذاق اڑایا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

مثالیں:

جیسے کوئی شخص نماز کا یا زکوۃ کا یا جنت یا جہنم کا مذاق اڑائے، یا ڈاڑھی کا مذاق اڑائے (البتہ اگر کسی شخص کی ذات کا مذاق اڑائے تو کافر نہ ہوگا)، یا ثوابوں کا مذاق اڑائے جیسے کہ حدیث میں آتا ہے کہ جس نے کلمۂ توحید لا الٰہ الّا اللہ پڑھا تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے، یا جس نے سبحان اللہ وبحمدہ سو دفعہ پڑھا تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اگرچہ دریا کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، تو اگر کسی نے ان کا مذاق اڑایا تو وہ کافر ہو جائے گا، یا اسی طرح اگر عذابوں کا مذاق اڑائے، جیسے جہنم کی آگ کا یا اس کے بچھو اور سانپوں کا مذاق اڑائے تو ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے۔

دلیل:

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (التوبة:٦٥،٦٦)

آپ کہہ دیجیے کہ تم لوگ اللہ تعالی اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے ہو۔ عذر پیش نہ کرو یقیناً تم نے کفر کیا ہے ایمان کے بعد۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے انہیں مسخروں کی وجہ سے کافر کہا۔ انہوں نے عذر بھی پیش کیے لیکن اللہ تعالی نے کہا کہ تمھارے عذر قبول نہیں ہیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ خیال نہ تھا کہ ہمارا یہ کام کفر ہے بلکہ ان کا خیال تو یہ تھا کہ اس سے انسان کافر نہیں ہوتا لیکن پھر بھی کافر ہو گئے۔(مجموع الفتاویٰ ج:7 ص:273)

مذاق کی اقسام:

شریعت پر مسخرے کرنے کی دو قسمیں ہیں:

1۔ صراحۃً یعنی واضح ہو۔

2۔ اشارۃً یعنی اشاروں میں غیر واضح ہو۔

صراحۃً مسخرے وہ ہوتے ہیں جو باتوں میں ہوں، جیسا کہ یہ آیت جن منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے واضح مسخرے کرے تھے۔ یا جیسے کوئی شخص کہے کہ یہ پانچواں دین ہے۔

اشاروں میں مسخرے یہ ہوتے ہیں کہ جیسے قرآن و حدیث کے بیان کے وقت کوئی شخص زبان نکالے اور نقل اتارے یا اپنے ہاتھ سے اشارے شروع کردے۔

تنبیہ:

عبداللہ بن عبدالرحمٰن شرح نواقض الاسلام میں کہتے ہیں کہ بعضے لوگ مسخروں کے وقت بعضے کلمات ایسے کہتے ہیں کہ انہیں پتہ بھی نہیں ہوتا لیکن وہ کفریہ کلمات ہوتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی سے سنا کہ وہ کسی اور کو آواز دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یا عبد الضمیر (اے ضمیر کے بندے) (جیسے عبدالعزیٰ یا عبدالشّمس وغیرہ) حالاں کہ یہ شرک فی التسمیہ ہے جو کہ کفر دون کفر ہے۔

ایک دوسرا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ لوگ کھانے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص آیا اور کہنے لگا:

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (طه:۱۰۸)

پست ہو جائیں گی آوازیں رحمٰن ذات کے لیے نہیں سنو گے تم مگر پاؤں کی آہٹیں۔

یہ آیت اس نے اس لیے پڑھی کیوں کہ وہ لوگ کھانے پر بیٹھے ہوئے تھے اور خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے تو اس نے یہ مسخرہ کیا۔ حالاں کہ آوازیں تو رحمٰن ذات کے سامنے پست ہوں گی کھانے کے لیے تو نہیں ہوں گی۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن کی دی ہوئی مثالیں اگرچہ کفر نہیں ہے، ان کی یہ بات تغلیظ پر محمول ہے، البتہ اس طرح کی تعبیرات سے اجتناب بہت ضروری ہے۔

یا جیسے کوئی شخص کہے کہ الحمد للہ تو قادیانی ہے سنی نہیں۔ کافر کو مسلمان سے بہتر کہا، کیوں کہ قادیانی کافر ہوتا ہے۔

مسخروں کے بعض طریقے:

شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی آیتوں کا مذاق یہ بھی ہے کہ جو لوگ کرکٹ اور فٹ بال کھیل رہے ہوں انہیں کوئی شخص مجاھدین کہے۔

میں کہتا ہوں کہ جیسے آج کل سکولوں میں مغربی تعلیم و تہذیب سکھائی جاتی ہے لیکن اس کا نام اسلامی رکھا جاتا ہے، جیسے مجاھد سکول، حالاں کہ انہیں جہاد کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ یا جیسے سکول کا نام رکھتے ہیں حراء، حراء تو وہ غار تھا جس میں نبی ﷺ کو وحی شروع ہوئی تھی۔ یا جیسے اقراء سکول، یہ سب قرآن کا مذاق ہے۔ کیوں کہ اقراء پہلی وحی تھی جس میں قرآن پڑھنے کا حکم تھا نہ کہ انگریز کی تہذیب کا۔ یا جیسے قرطبہ سکول، قرطبہ دین کا ایک مرکز گزرا ہے نہ کہ انگریز کا مرکز۔ یا جیسے سکول کے باہر لکھا جاتا ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (کیا برابر ہیں وہ لوگ جو علم والے ہیں اور وہ لوگ جو بے علم ہیں) اور حال یہ ہوتا ہے کہ وہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے اور لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ رہتے ہیں اور وہاں ہر قسم کی بے دینی کو فروغ دیا جاتا ہے۔

کسی سکول کے باہر لکھتے ہیں طلب العلم فریضة علی کل مسلم (علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔ حالاں کہ اس حدیث میں علم سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے اور انہوں نے اُس سکول کو اس کا مصداق بنالیا ہے جہاں زناء کے لیے راستے ہموار کیے جاتے ہیں۔

مذکورہ موضوع سے متعلق مسائل:

مسئلہ نمبر 1: گپ شپ میں قرآنی آیات کا استعمال

سوال: بعض لوگ اپنی بات چیت میں قرآن کی آیتیں استعمال کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کی دو قسمیں ہیں:

1۔ اپنی عام باتوں میں جو کہ بے قیمت باتیں ہوں قرآن کی آیتیں استعمال کرے تو یہ ناجائز ہے۔ کیوں کہ اس میں آیتوں کی ایک طرح کی توھین ہے۔ حالاں کہ آیتوں کا احترام اور تعظیم کرنا چاہیے۔ جیسے کسی شخص سے پوچھا جائے کم الساعة؟ (وقت کیا ہے؟) تو وہ جواب میں یہ آیت پڑھے الساعة ادھیٰ وامر۔ یا کوئی شخص گھر آکر کہے آتنا غدائنا لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا۔

2۔ دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن کی آیت یا حدیث ایسی باتوں میں استعمال کرے جو کہ اس آیت یا حدیث کے موافق ہو یا اس آیت یا حدیث سے اس بات کا استدلال ہوتا ہو۔ جیسا کہ بخاری کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ جب خیبر تشریف لائے تو فرمایا:

انا اذا نزلنا بساحة قوم فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ

یہ بات ہے بھی بالکل صحیح کہ نبی جس علاقے میں حملے کے لیے آجائیں تو ان کی صبح خراب ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور کہے انا اذا نزلنا بساحة قوم فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ تو یہ آیت کی بے حرمتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2: مسخروں کی مجلس میں بیٹھنے کا حکم

سوال: جو شخص مسخروں کی مجلس میں بیٹھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کی چار حالتیں ہیں:

1۔ مسخروں کا رد کرے جو کہ اس پر فرض بھی ہے۔

2۔ اگر رد کرنے کی طاقت نہ ہو تو اس مجلس سے اٹھ جائے۔

یہ دونوں قسم کے شخص گناہ گار نہیں ہیں کیوں کہ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (الانعام:٦٨)

جب تم دیکھو ان لوگوں کو کہ بحث کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو اعراض کر وان سے یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔

یعنی جب وہ لوگ دین کا مذاق اڑائیں تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ (النساء:١٤٠)

یقیناً اللہ تعالی نے نازل کی ہے تم پر کتاب میں یہ بات کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالی کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی اور بات میں۔ (ورنہ) اس وقت تم لوگ بھی انہی کی طرح ہو گے۔

اس آیت کا بھی یہی مقصد ہے کہ جہاں اللہ تعالی کی آیتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہو تو وہاں نہ بیٹھو اور اگر کوئی وہاں بیٹھے گا تو انہیں کے حکم میں ہو گا۔

3۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس مجلس میں چپ بیٹھا رہے، رد نہ کرے اور یہ عالم بھی ہو یعنی جانتا بھی ہو کہ شریعت کا مذاق آڑایا جا رہا ہے تو یہ شخص بھی ویسے ہی مجرم ہے جیسا کہ مذاق اڑانے والے مجرم ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ ''اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ (تم لوگ اس وقت جب کہ ان کے ساتھ بیٹھو انہی کی طرح ہو۔)

4۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ اس مجلس میں چپ بیٹھا رہے لیکن عالم نہ ہو، جاہل ہو تو بعضے علماء کہتے ہیں کہ یہ معذور ہے، اس کو سمجھانے کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ جاہل ہے اور بعضے علماء کہتے ہیں کہ معذور نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالی کی تعظیم ایک فطری بات ہے۔ اس شخص کو اس فطرت کی وجہ سے اس مجلس سے اٹھنا یا ان کو مذاق سے روکنا چاہیے۔

ساتواں ناقضِ ایمان: جادو

جس نے جادو کیا یا وہ جادو سے راضی ہوا تو وہ کافر ہو گیا۔ بعض علماء نے جادو کی بعضی اقسام کو کبائر میں شمار کیا ہے۔ لیکن جادو کی اکثر اقسام کفر ہیں۔

جادوگر کبھی تو گرہیں لگاتے ہیں اور کبھی دھاگے وغیرہ پر دم کرتے ہیں جو کہ انسان کے دل و دماغ اور بدن پر اثر کرتا ہے۔ جس سے کبھی انسان بیمار ہو جاتا ہے، کبھی مر جاتا ہے اور کبھی میاں بیوی کے درمیان جدائی آ جاتی ہے۔

دلائل:

جس نے جادو کیا یا جادو پر راضی ہوا تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا (البقرۃ:۱۰۲)

سلیمان علیہ السلام نے جادو نہیں کیا لیکن شیاطین نے جادو کیا تھا۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے جادو کو دو دفعہ کفر کہا۔ پھر فرمایا کہ فرشتوں نے کہا:

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ (البقرۃ:۱۰۲)

یقینا ہم امتحان ہیں تم لوگ کفر نہ کرو۔

اس جملے میں بھی جادو کو کفر کہا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (البقرۃ:۱۰۲)

یقینا ان کو خوب معلوم تھا کہ جس نے پسند کیا جادو تو اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

اس جملہ میں فرمایا کہ جس نے جادو کیا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طه:٦٩)

جادوگر کامیاب نہیں ہو سکتے جہاں سے بھی آجائیں۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں:

اجتنبوا السبع الموبقات

بچو سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے۔ (پھر ان میں ایک جادو ذکر فرمایا۔)

جادو کے کفر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں شیاطین اور جنوں سے مدد مانگی جاتی ہے اور ان سے تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں۔ شیاطین اور جن جادوگروں سے شرک کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کبھی اپنے نام پر ذبح، کبھی سجدہ اور کبھی قرآنِ پاک کی بے حرمتی کرواتے ہیں۔ جیسے قرآن کو خون سے لکھتے ہیں یا اس کو گندگی میں ڈالتے ہیں وغیرہ۔ پھر اس کے بدلے اور اس تعلق کی بنیاد پر شیاطین ان کی خدمت کرتے ہیں، جیسے کسی کو قتل کرنا یا اس کی پٹائی کرنا وغیرہ۔

جادو کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے مخلوق کو تکلیف پہنچتی ہے۔ جیسے کسی کے دماغ پر اثر ہو جاتا ہے، کوئی بیمار ہو جاتا ہے، کبھی میاں بیوی کے درمیان طلاق ہو جاتی ہے وغیرہ۔

آٹھواں ناقضِ ایمان: کفار کی مدد کرنا مسلمانوں کے خلاف

جیسے مسلمانوں اور کافروں کی جنگ ہو اور کوئی شخص مسلمانوں کے خلاف مال یا اسلحے یا مشورے کے ذریعے یا کسی بھی طریقے سے کفار کی مدد کرے تو اس میں متعدد صورتیں ہیں، اس کی تفصیل تولی اور موالات کی بحث میں آئے گی۔ بعض اس میں کفر ہیں اور بعض گناہ۔ مثلا تولی یعنی کفار سے عقیدتاً دوستی کفر وارتداد ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ (المائدۃ:٥١)

جس نے دوستی کی کافروں سے تو وہ ان ہی میں سے ہے۔ (یعنی کافر و مرتد ہے)

پھر فرماتے ہیں کہ یہ مرض ہے:

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ (المائدۃ:٥٢)

آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے کہ وہ جلدی کرتے ہیں کفار کی دوستی میں۔

پھر اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ کافروں سے دوستی ارتداد کا سبب ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ (المائدۃ:۵۴)

اے ایمان والو! جو شخص مرتد ہو جائے تم میں سے اپنے دین سے۔

روح المعانی میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ کافروں سے دوستی ارتداد کا سبب ہے۔ پھر سورہ مائدہ میں ہی فرماتے ہیں کہ جو کفار سے دوستی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوتے ہیں اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی ان میں اگر ایمان ہوتا تو وہ کفار سے دوستی نہ کرتے:

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (المائدۃ:۸۰)

آپ دیکھیں گے ان میں سے اکثر لوگوں کو کہ وہ دوستی کرتے ہیں ان لوگوں سے جو کفار ہیں، بہت برا ہے جو ان کے نفسوں نے آگے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ ان پر غصہ ہوئے اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

سورہ نساء میں انہیں منافق کہا گیا ہے، جیسا کہ:

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝ۙ۱۳۸ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء: ۱۳۸،۱۳۹)

خوشخبری دے دو منافقوں کو کہ یقینا ان کے لیے عذاب ہے دردناک۔ منافقین وہ لوگ ہیں جو مؤمنوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست بناتے ہیں۔

سورہ آلِ عمران میں فرماتے ہیں کہ جس نے کافروں سے دوستی کی تو اللہ تعالیٰ اس سے بے زار ہیں:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ (آل عمران:۲۸)

جس نے یہ کام کیا تو وہ نہیں ہے اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق۔

سورہ محمد میں انہیں مرتد کہا گیا ہے اور سورہ مجادلہ میں فرماتے ہیں کہ ایمان اور کافر سے دوستی، جمع نہیں ہو سکتے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَاۗدُّوْنَ مَنْ حَاۗدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

آپ نہیں پائیں گے ایسے لوگ جو ایمان رکھتے ہوں اللہ اور آخری دن پر کہ وہ دوستی کریں ان لوگوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔

کافروں سے دشمنی کرنا اللہ تعالی نے فرض کیا ہے اور ان سے دوستی کو حرام کیا ہے اور اس میں اللہ تعالی نے بہت سختی فرمائی ہے حتی کہ اللہ تعالی کی کتاب میں اس جیسا واضح حکم نہیں ہے اور نہ ہی توحید کی فرضیت اور شرک کی حرمت کے بعد اتنے دلائل کسی اور حکم کے بارے میں بیان کیے گئے ہیں۔

یا حسرۃ للعباد! لیکن افسوس یہ ہے کہ آج کل اکثر لوگ اسی مصیبت میں گھرے ہوئے ہیں۔ کفار کی مختلف طریقوں سے مدد اور تعاون کرتے ہیں، جیسا کہ اتحادی کے نام سے ان کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ کبھی لشکری کے نام پر ان کے لیے جاسوسی کرتے ہیں۔ کفار کو خوش کرنے کے لیے اپنی فوجیں، ٹینک، توپ اور اسلحے استعمال کرتے ہیں۔ جگہ جگہ تلاشی کرتے اور چھاپے مارتے ہیں۔ آبادیاں برباد کرتے، مجاھدین شھید کرتے، انہیں ہجرت پر مجبور کرتے ہیں۔ انہیں قید کرکے ان پر تشدد کرتے ہیں۔

کفار کی دوستی سے بچانے کے لیے ھجرت کا حکم:

اسی وجہ سے اللہ تعالی نے ھجرت فرض کی ہے۔ کیوں کہ اگر کوئی شخص ھجرت نہیں کرتا اور کفار کے ملک میں رہتا ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ ان سے دوستی کرلے اور ان کو خوش کرنے کی کوشش کرے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا (النساء:۹۷)

یقناوہ لوگ جن کی ملائک روحیں قبض کریں گے اس حال میں کہ انہوں نے ظلم کیا ہوگا اپنے اوپر (ھجرت کو چھوڑنے کی وجہ سے)۔ ملائک ان سے کہیں گے کہ تم لوگ کس حال میں تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم زمین میں کمزور تھے۔ ملائک جواب دیں گے کہ کیا اللہ تعالی کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم لوگ اس میں ھجرت کرلیتے۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

شانِ نزولِ آیت:

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو کہ ایمان لے آئے تھے لیکن انہوں نے مکے سے مدینہ ہجرت نہیں کی تھی بلکہ وہ مکہ میں ہی رہتے تھے۔ جب غزوہ بدر کا موقع آیا تو وہ لوگ مجبوراً مشرکین کے ساتھ میدان تک آئے اور انہوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کی جماعت کو ظاہراً زیادہ کیا۔ ان کے بارے میں اللہ تعالی نے یہ فیصلہ سنایا کہ یہ لوگ جھنمی ہیں۔

موجودہ دور میں اس کی مثال یہ ہے کہ بہت سے لوگ ہجرت نہیں کرتے، حکومت انہیں مجبور کرکے مجاھدین کے خلاف استعمال کرتی ہے۔ کبھی انہیں مجاھدین کے خلاف لشکر بنانے پر مجبور کرتی ہے تو کبھی کمیٹیاں بنانے اور پہرہ دینے پر۔

اسی وجہ سے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذه الاية الكريمة عامة فی كل من اقام بين ظهرانی المشركين وهو قادر علی الهجرة وليس متمكنا من اقامة الدين فهو ظالم لنفسه مرتكب حراما بالاجماع وبنص هذه الآية

یہ آیت عام ہے ہر اس شخص کے بارے میں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے، ھجرت کی قدرت رکھتا ہے اور اپنا دین نہیں قائم کرسکتا۔ایسا شخص ظالم ہے اور حرام کام کرنے والا ہے اتفاقِ امت اور اس آیت کی نص سے۔

کفار کی مدد اور تعاون کی اقسام:

کفار کے ساتھ مدد اور تعاون کی دو قسمیں ہیں۔ایک ان میں سے جائز اور دوسری ناجائز ہے۔

کفار سے تعاون کی جائز قسم: ایک کافر کی دوسرے کافر کے مقابلے میں مدد کرنا۔

لیکن یہ اس وقت جائز ہے کہ جب دوسرے کافر کا ضرر اور نقصان پہلے کافر سے زیادہ ہو۔اس کی مثال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ ھجرت کی تو یہود کے ساتھ معاہدہ فرمایا۔یہ معاہدہ ان کافروں کے خلاف تھا جو مدینے کے باہر سے حملہ آور ہو سکتے تھے، کہ ایسے دشمن کے خلاف مسلمان اور یہودی ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

کفار سے تعاون کی ناجائز قسم: مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کی مدد کرنا

دوسری ناجائز قسم یہ ہے کہ کفار کی ایسی مدد کرے کہ جس میں مسلمانوں کا نہ فائدہ ہو اور نہ نقصان۔کیوں کہ اس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور پھر اس میں ایک امکان یہ بھی ہے کہ کفار قوی ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔

نواں ناقضِ ایمان:

جس کا یہ عقیدہ ہو کہ بعض لوگوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت سے باہر نکل سکتے ہیں (یعنی شریعت کے مطابق اللہ کی بندگی کے بجائے کسی اور شریعت کے مطابق اللہ تعالی کی بندگی کریں) تو یہ بھی کفر ہے۔

دلائل:

پہلی دلیل:

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ (ال عمران:۸۵)

جس نے تلاش کیا اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تو اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ اسلام کے علاوہ کوئی اور شریعت اللہ تعالی کو قبول نہیں ہے۔

دوسری دلیل:

اسی طرح اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ (النساء:۶۵)

آپ کے رب کی قسم! وہ لوگ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں ان مسائل میں جو ان کے درمیان پیش آئیں۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے قسم کے ساتھ فرمایا ہے کہ وہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک ہر چھوٹی اور بڑی بات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں۔

تیسری دلیل:

مسند احمد کی حدیث میں ہے:

لو کان موسی حیا ماوسعه الا اتباعی

اگر موسی علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی جائز نہ ہوتا مگر میری اتباع۔

جب موسی علیہ السلام کے لیے اپنی شریعت کی اتباع جائز نہ تھی تو کسی اور کے لیے کسی اور شریعت پر عمل کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

اصل وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی شریعت ناسخ ہے تمام شریعتوں کے لیے۔ اسی وجہ سے جب عیسی علیہ السلام آخری زمانے میں تشریف لائیں گے تو وہ بھی نبی ﷺ کی شریعت سے فیصلے کریں گے اور اپنی شریعت سے نہیں کریں گے کیوں کہ ان کی شریعت منسوخ ہوچکی ہے۔

اس مسئلے کا اصل مقصد:

اس مسئلے کا اصل مقصد بعض منحرف جاہل صوفیاء کا رد کرنا ہے۔ کیوں کہ بعض صوفیاء کا یہ عقیدہ ہے کہ بعض لوگوں کے لیے جائز ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت سے نکل جائیں۔

بعضے منحرف جاہل صوفیاء کی دلیل:

ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ جس طرح خضر علیہ السلام کے لیے موسی علیہ السلام کی شریعت سے نکلنا جائز تھا اسی طرح بعض لوگوں کے لیے نبی ﷺ کی شریعت سے نکلنا جائز ہے۔

جواب:

نبی ﷺ کی شریعت کا قیاس موسی علیہ السلام کی شریعت پر نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ نبی ﷺ کی شریعت عام اور ہر کسی کے لیے ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قُلْ يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:۱۵۸)

آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو یقینا میں اللہ تعالی کا رسول ہوں تم سب کے لیے۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

وبعثت الی الناس عامة

میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

موسی علیہ السلام کی شریعت خاص تھی صرف بنی اسرائیل کے لیے۔ پھر دوسری وجہ یہ ہے کہ خضر علیہ السلام موسی علیہ السلام کی شریعت اور ان کی تابعداری کے مکلّف نہیں تھے۔ کیوں کہ خضر علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے نہ تھے اور ہم نبی ﷺ کی تابعداری کے مکلّف ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ خضر علیہ السلام خود سے نبی تھے۔ (جیسا کہ یہی صحیح قول ہے) انہیں وحی ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے موسی علیہ السلام ان کے پاس علم سیکھنے کے لیے آئے۔ یعنی خضر علیہ السلام کی جدا شریعت تھی اور موسی علیہ السلام کی جدا شریعت۔

دسواں ناقضِ ایمان: اللہ تعالی کے دین سے اعراض

اگر کوئی شخص اللہ تعالی کے دین اور آیتوں سے اپنے دل اور کانوں سے اعراض کرے، نہ اللہ تعالی کا دین سیکھے اور نہ اس پر عمل کرے تو یہ شخص کافر ہے۔

دلائل:

1۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا (السجدۃ:۲۲)

کون ہے زیادہ ظالم اس شخص سے جسے نصیحت کی جائے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ذریعے پھر وہ اعراض کرے اس سے۔

اس آیت میں اعراض کرنے والے کو بڑا ظالم کہا گیا ہے۔

2۔اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ (الاحقاف:۳)

وہ لوگ جو کافر ہیں وہ اعراض کرتے ہیں اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا گیا۔

اس آیت میں اعراض کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے۔ایسے شخص کو بعض لوگ "ملحد" اور بعض "متحلل من الادیان" کہتے ہیں۔

اعراض کی اقسام:

اعراض کی دو قسمیں ہیں:

1۔اعراضِ اکبر: اعراضِ اکبر اُسے کہتے ہیں جو پیچھے بیان کیا گیا کہ نہ اللہ تعالیٰ کا دین سیکھے اور نہ ہی اس پر عمل کرے، (یعنی پورے کے پورے دین سے اعراض کرے)، یہ قسم کفر ہے۔

2۔اعراضِ اصغر: اعراض اصغر اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی آیت یا حدیث سے اعراض کرے (یعنی دین کے بعض احکام سے) کہ نہ اسے سیکھے اور نہ اس پر عمل کرے۔یہ قسم کفر نہیں، بلکہ گناہ ہے۔

چناں چہ دین کی جتنی مقدار سے اعراض کرے گا اتنا ہی گناہ گار ہوگا۔ جیسا کہ کوئی شخص ایک آیت یا ایک حدیث سے اعراض کرے تو یہ اس کا ایک گناہ ہوا اور اگر دو آیات یا دو احادیث سے اعراض کرے تو یہ اس کے دو گناہ ہوئے۔اسی طرح جتنی آیات و احادیث سے اعراض کرے گا اتنا ہی زیادہ گناہ گار ہوگا۔یعنی جتنا اعراض بڑا ہوگا اتنا ہی گناہ بھی بڑا ہوگا۔

تقسیم کی دوسری تعبیر:

ایک اور اعتبار سے اعراض کی دو اقسام ہیں:

1۔اعتقادی: اعراضِ اعتقادی اسے کہتے ہیں، جیساکہ پیچھے بیان ہوا کہ نہ اللہ تعالی کا دین سیکھے اور نہ اس پر عمل کرے، یہ کفر ہے۔

2۔ عملی: اعراضِ عملی اسے کہتے ہیں کہ دین پر عمل نہ کرے،اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

1۔ کلی

2۔ جزئی

اعراضِ کلی اسے کہتے ہیں کہ ایک عمل بھی نہ کرے۔ یہ کفر ہے۔

اعراضِ جزئی اسے کہتے ہیں کہ بعض اعمال کرے اور بعض نہ کرے۔ یہ کفر نہیں ہے بلکہ گناہ ہے۔ جتنی مقدار میں اعراض ہوگا اتنا ہی گناہ ہوگا۔

حاصل یہ کہ اعراضِ اکبر، اعراضِ اعتقادی اور اعراضِ کلی کفر ہے اور اعراضِ اصغر اور اعراضِ جزئی کفر نہیں بلکہ گناہ ہے۔

آج کل ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں جو کہ اللہ تعالی کے دین سے اور آیات واحادیث سے اعراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالی کے دین کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہوتا، نہ اللہ تعالی کا دین سیکھتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے پاس کاروبار اور دنیوی تعلیم جیساکہ سکول وکالج کے لیے ان کے پاس وقت ہوتا ہے لیکن دین سیکھنے کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ دینی علوم حاصل کرنا صرف مدرسے کے طلبہ کا کام ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ امام سلام پھیرنے کے بعد جب لوگوں کی طرف منہ پھیرتا ہے تو آدھے لوگ جاچکے ہوتے ہیں اور جب کوئی درس یا تعلیم شروع کرتا ہے تو باقی آدھے بھی جاچکے ہوتے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو قرآن وحدیث کے درس یا تعلیم میں بیٹھتے ہیں۔

حالاں کہ بہت سے علوم ایسے ہیں جو کہ کسی کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ ان کا سیکھنا ہر کسی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ بعض چھوٹی چھوٹی کتابیں ایسی ہوتی ہیں جن میں عقیدے کی بحث یا دوسرے ضروری مسائل ہوتے ہیں اور انہیں پڑھنے میں بھی کم وقت ہفتہ یا مہینہ لگتا ہے، زیادہ وقت نہیں لگتا لیکن پھر بھی انتہائی بدقسمتی کی وجہ سے کسی کے پاس اس کے لیے بھی وقت نہیں ہوتا۔ فالی اللہ المشتکی واللہ المستعان وانا للہ وانا الیہ راجعون

نواقض کا ارتکاب مذاق میں بھی کفر ہے:

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

من تکلم بکلمۃ الکفر ھازلًا او لاعبا کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقادہ (البحر الرائق ج:5 ص:134)

کوئی شخص کلمہ کفر کہے مذاق میں یا کھیل میں تو یہ تمام علماء کے نزدیک کافر ہے اور اس کے عقیدے کا کوئی اعتبار نہیں ہے (یعنی عقیدہ جیسا بھی ہو)۔

یعنی ان نواقض میں سے کوئی کام کسی شخص سے ہو جائے تو وہ کافر ہو جائے گا، چاہے وہ یہ کام مذاق میں کرے یا سچ مچ میں اپنے دل سے کرے یا ڈر کی حالت میں کرے۔ جیسا کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں :

ولا فرق في جميع هذه النواقض بين الهازل والجاد والخائف الا المكره

کوئی فرق نہیں ہے ان نواقض میں مذاق کرنے والے، سچے اور ڈرنے والے کے درمیان مگر وہ شخص جس کو مجبور کیا جائے۔

مسئلے کی تفصیل:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس مسئلے کی پانچ حالتیں ہیں، جس میں سے چار حالتیں کفر کی ہیں :

1۔ پہلی حالت یہ ہے کہ کفر کا ارتکاب سچ مچ اپنے دل سے کرے تو کافر ہو جائے گا۔

2۔ مذاق اور گپ شپ میں کرے تو بھی کافر ہو جائے گا۔

3۔ کفر کا ارتکاب ڈر کی وجہ سے کرے تو بھی کافر ہو جائے گا۔

4۔ کفر کا ارتکاب مجبوری کی حالت میں کرے اور دل بھی اس کفر پر مطمئن ہو جائے تو بھی کافر ہو جائے گا۔

5۔ کفر کا ارتکاب مجبوری کی حالت میں کرے لیکن دل ایمان پر مطمئن ہو تو کافر نہ ہو گا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اِکراہِ کاملہ (اکراہِ ملجی) ہو۔

دلیل:

اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل:١٠٦)

جس نے اللہ تعالی کا کفر کیا اپنے ایمان کے بعد مگر وہ شخص جس کا دل مضبوط ہو ایمان پر۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے صرف ایک حالت کو مستثنی کیا ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص کو مجبور کیا جائے مگر اس شرط پر کہ اس کا دل ایمان پر مضبوط ہو۔

علماء فرماتے ہیں کہ اکراہ کامل ہو، جیسا کہ قتل یا کسی عضو کے کاٹنے کی دھمکی۔ جیسے اس پر کوئی بندوق تان لے یا اس کی گردن پر چاقو رکھ دے، اور دوسرا یہ کہ جو شخص دھمکی دے رہا ہو وہ اتنی قدرت والا ہو کہ اپنی اس دھمکی پر عمل بھی کر سکتا ہو۔

اس کو اکراہِ کامل یا اکراہِ ملجی کہتے ہیں۔اس کی تفصیل اصول اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔اس آیت میں صرف اکراہ کی حالت کو مستثنی کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام حالتوں میں انسان کافر ہو جائے گا۔ جیسے کوئی شخص اپنے گھر یا کاروبار یا نوکری وغیرہ کی وجہ سے ڈرتے ہوئے کفر کا ارتکاب کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اپنی عزت، مرتبہ اور منصب کی وجہ سے ڈرے۔ جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ امریکہ اور حکومت کا ساتھ دیتے ہیں، ان کے لیے مسلمانوں کا قتل کرتے، ان پر چھاپے مارتے، ان کے گھر بار خراب کرتے، لشکر اور کمیٹیاں بناتے اور پہرے دیتے ہیں۔

وہ یہ تمام کفریہ اعمال ڈر کی وجہ سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر میں یہ نہ کروں تو میرا گھر خراب ہو جائے گا، میری چودھراہٹ ختم ہو جائے گی، میرا کاروبار و نوکری اور دکانداری خراب ہو جائے گی۔ چناں چہ ہر وہ شخص جو ڈر کی وجہ سے یہ کام کرے تو وہ بھی کافر ہے۔

پیچھے ذکر کیا گیا کہ یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ اُن مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے مکے سے مدینہ ہجرت نہیں کی تھی اور پھر جنگِ بدر کے موقع پر کفار نے زبردستی ان کو جنگ میں اپنے ساتھ ملالیا۔ اللہ تعالی نے ان کو جہنمی فرمایا۔

آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ہجرت نہیں کرتے تو حکومت انہیں سلینڈری پر یا مجاھدین کے خلاف لشکر بنانے پر یا پہرے دینے پر مجبور کرتی ہے۔ان لوگوں کا شرعا کوئی عذر نہیں ہے۔ (وہ اس پر گناہ گار ہوں گے)

ان باتوں کا جاننا ضروری ہے کیوں کہ دین مذاق و کھیل اور گپ شپ نہیں ہے۔ سورہ توبہ: 24 میں اللہ تعالی نے آٹھ چیزیں ذکر کی ہیں، والد، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتہ دار، اموال، تجارت اور گھر۔ پھر فرمایا کہ اگر ان آٹھ چیزوں کی وجہ سے تم سے جہاد چھوٹ گیا تو اللہ تعالی کے عذاب کا انتظار کرو۔

موانع التکفیر

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمدوآلہ واصحابہ اجمعین امابعد۔

نواقض الایمان کے جاننے کے بعد موانع التکفیر کا جاننا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان و کفر کے مسئلے میں افراط و تفریط سے کام لیا جاتا ہے اور اس میں کمی زیادتی کی جاتی ہے۔ بعضے لوگ کمی کرتے ہیں کہ کسی شخص میں نواقض یعنی ایمان کو ضائع کرنے والا عمل پایا جاتا ہے مگر پھر بھی اسے کافر اور مرتد نہیں سمجھتے۔ جیساکہ پہلے گزراکہ کبھی ایک شخص سو طریقوں سے کافر ہوچکا ہوتا ہے۔

اسی طرح بعضے لوگ زیادتی کرتے ہیں کہ کبھی کوئی شخص شرعاً معذور ہوتا ہے لیکن پھر بھی اسے کافر یا مرتد سمجھتے ہیں۔ بعض مجاھدین بھی ایسے ہی ہیں کہ وہ اس مسئلے میں غلو اور افراط یعنی زیادتی کرتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مجاھدین پر بہت سے ظلم کیے گئے ہیں، بے دردی سے شہید کیے گئے، انہیں زخم پہنچے، ان کے گھر بار ویران کیے گئے، ان کے کاروبار خراب ہوئے، وہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ یہ ایک قانون ہے کہ جب کوئی شخص کسی مسئلے میں تکلیفیں برداشت کرے اور اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کیا جائے تو وہ بھی اس مسئلے میں ظلم وزیادتی سے کام لیتا ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بعض سَلَف سے نقل کرتے ہیں کہ شیطان دو راستوں سے داخل ہوتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ ایک یہ کہ مسلمان تفریط اور گناہ کرے اور دوسرا یہ کہ جب مسلمان نیک ہو اور عبادت کرے تو اس کے لیے افراط اور غلو مزین کرتا ہے اور اس طرح اس کا دین برباد کرتا ہے۔ (اغاثۃ اللھفان ج:1 ص:116)

چناں چہ اس مسئلے میں احتیاط اور کمی زیادتی سے بچنے اور دلیل سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنی عقل و فہم سے کسی کو اسلام سے نہیں نکالنا چاہیے۔ کیوں کہ کسی کو اسلام سے نکالنا یا داخل کرنا دین کی ایک بڑی بات ہے۔ شیطان نے اس مسئلے میں اکثر لوگوں کو دھوکے میں ڈالا ہے۔ بعضے لوگ کمی و کوتاہی کرتے ہیں کہ ایک شخص قرآن و حدیث کی روشنی میں کافر ہوتا ہے لیکن اس کو مسلمان سمجھتے ہیں، اور بعضے لوگ زیادتی کرتے ہیں کہ ایک شخص قرآن و حدیث کی روشنی میں مسلمان ہوتا ہے لیکن اس کو کافر سمجھتے ہیں۔ (الدرر السنیۃ ص۲۱۷ج۸ بحوالہ الموسوعۃ الجنائیۃ الاسلامیۃ ص ۲۹۲)

اسی طرح بعض لوگ کسی متعین شخص کی طرف مطلّقا کفر کی نسبت کردیتے ہیں اور اس بات کا لحاظ نہیں رکھتے کہ اس میں کفر کی شرائط موجود ہیں یا نہیں اور کفر کے موانع منتفی ہیں یا نہیں۔ بعض لوگ کسی کو بھی کافر اور مرتد نہیں سمجھتے۔ انہوں نے ارتداد کا دروازہ ہی بند کر رکھا ہوتا ہے۔ (الموسوعۃ الجنائیۃ ص294)

تمام فقھاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے تو اسے سزا دی جائے گی۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لا اعلم فی ذالک خلافا بین اھل العلم

مجھے اس مسئلے میں علماء کے درمیان اختلاف نہیں معلوم۔

ترمذی کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا قال الرجل للرجل یا یھودی فاضربوہ عشرین

جب کوئی شخص دوسرے شخص کو یہودی کہے تو اسے بیس کوڑے مارو۔

رسول اللہ ﷺ نے کفر کے فتوے سے سخت ڈرایا ہے، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

اذا قال الرجل لاخیہ یا کافر فقد باء بھا احدھما

جب کوئی شخص اپنے بھائی کو کہے اے کافر تو ان میں سے ایک اس میں گھِر گیا۔

یعنی یا تو وہ شخص کافر ہوگا یا پھر کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ بہر حال اس مسئلے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

اسی طرح اھل السنۃ والجماعۃ کا تمام جماعتوں کے عقیدوں میں درمیانہ عقیدہ ہے کہ جس میں کمی زیادتی نہیں ہے، جیسا کہ عقیدے کی کتابوں میں اس کی بحث موجود ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی کی طرف جھوٹی کفر کی نسبت کرنا تکفیریوں کا عقیدہ ہے جس کی بنیاد خوارج نے رکھی تھی۔ یہ اسلام میں پہلی بدعت اور پہلا فتنہ تھا۔ جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ اسلام میں پہلی بدعت حروریہ (یعنی خوارج) کی تھی۔ وہ علی وعثمان رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کو کافر سمجھتے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ کو بھی انہوں نے ہی شہید کیا تھا۔ وہ لوگ عبادت میں بہت کوشش کرتے تھے لیکن بے علم تھے اور اہلِ سنت والجماعت سے جدا ہو گئے تھے۔(مجموع الفتاوی ج:7 ص:481)

تیسری وجہ یہ ہے کہ جب کسی کی طرف کفر کی نسبت کی جائے اور وہ شخص کافر و مرتد ہو تو اس پر بہت سے احکام مرتب ہوتے ہیں:

1۔ اس شخص کے ساتھ اس کی بیوی کا رہنا جائز نہیں ہوتا۔ کیوں کہ مسلمان عورت کافر کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔

2۔ اس کی اولاد بھی اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ کیوں کہ اگر اس کے ساتھ رہے تو خطرہ ہے کہ ان کو گمراہ کردے۔ اس کی اولاد اسلامی معاشرے کے پاس امانت ہوگی۔

3۔ اس کے ساتھ لوگوں اور اسلامی معاشرے کا کوئی تعلق اور دوستی نہ رہے گی۔

4۔ اس کا اسلامی قضاء میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اس پر اتمام حجت کیا جائے گا۔ اس کے ذہن سے شکوک و شبہات دور کیے جائیں گے اور اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر ایمان لے آئے تو بہت اچھا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

5۔ جب مر جائے تو مسلمانوں کے احکام اس پر جاری نہیں ہوں گے، مثلااس کو غسل نہیں دیا جائے گا، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا اس کی میراث تقسیم نہیں کی جائے گی۔

6۔ جب کفر کی حالت میں مر جائے تو ہمیشہ جھنم میں رہے گا۔

لہٰذا ان مسئلوں میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے میں نے ارادہ کیا کہ کچھ اصول و قواعد جمع کروں اور وہ عذر ذکر کروں کہ جب وہ موجود ہوں تو کسی کو کافر و مرتد نہیں کہا جا سکتا:

تکفیر کے اصول و قواعد:

اول قاعدہ: انسان کلمہ پڑھنے کے ذریعے اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

جب کوئی شخص زبان سے یہ کلمہ لاالہٰ الّا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے تو وہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اگرچہ دل سے کافر ہو (جب تک اس سے ایسا کوئی کام نہ پایا جائے جو کہ کفر کی واضح نشانی ہو اور جس کی وجہ سے انسان مرتد ہو جاتا ہو۔) کیوں کہ ہمیں اس بات کا حکم ہوا ہے کہ ہم ظاہر کو دیکھیں اور دل کا حال اللہ تعالی کے حوالے کریں۔

دلیل:

اس کی دلیل اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر علماء نے ذکر کی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی پر تلوار تان لی، اس نے کلمہ لاالہٰ الّا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا لیکن پھر بھی اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر سخت رد فرمایا اور ان سے فرمایا کہ کیا تم نے اس کو مار دیا حالاں کہ اس نے کلمہ لاالہٰ الّا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ اس نے تلوار سے بچنے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ھلا شققت قلبہ (تم نے اس کا دل کیوں نہ کھول کر دیکھا)۔

دوسرا قاعدہ: جو توحید پر مرے وہ جنتی ہے۔

دلیل:

اس کی دلیل بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا کہ جو بندہ بھی یہ کلمہ پڑھے لاالہٰ الّا اللہ محمد رسول اللہ اور پھر اسی عقیدے پر مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تیسرا قاعدہ: انسان کلمہ پڑھنے کے بعد اسلام کے تمام احکام قبول کرتا ہے۔

جب کوئی انسان کلمہ پڑھے اور اسلام میں داخل ہو جائے تو اس پر اسلام کے تمام احکام قبول کرنا لازم ہوتا ہے اور وہ اپنی مرضی نہیں چلا سکتا۔

دلیل:

اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان مبارک ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب:۳۶)

مناسب نہیں ہے کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کے لیے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کردیں تو ہو ان کے لیے کوئی اختیار ان کے معاملات میں۔

چوتھا قاعدہ: کبائر یعنی بڑے گناہ ایمان میں کمی اور نقصان پیدا کرتے ہیں لیکن ایمان کو ختم نہیں کرتے۔

دلیل:

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا (الحجرات:۹)

اگر مؤمنوں میں سے دو جماعتیں جنگ کریں۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے ان دو جماعتوں کو جو آپس میں جنگ کریں مومنین فرمایا ہے، باوجود اس کے کہ مؤمن سے جنگ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

پانچواں قاعدہ: شرک کے علاوہ دیگر گناہوں کی معافی ممکن ہے۔

دلیل:

اللہ تعالی کا فرمان مبارک ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء:۴۸)

بے شک اللہ تعالی نہیں بخشتے اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخش دیتے ہیں اس کے علاوہ گناہوں کو جس کے لیے چاہیں۔

چھٹا قاعدہ: کفر کی دو قسمیں ہیں

1۔ کفر اکبر (بڑا کفر)

2۔ کفر اصغر (چھوٹا کفر)

یعنی قرآن و حدیث میں جب کفر کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے کبھی کفر اکبر مراد ہوتا ہے کہ انسان اس سے اسلام سے نکل جاتا ہے اور اگر مر جائے تو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہوگا، اور کبھی کفرِ اصغر مراد ہوتا ہے کہ انسان اس سے اسلام سے نہیں نکلتا اور اگر مر جائے تو ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، بلکہ اس کی وجہ سے انسان فاسق اور گناہ گار ہو جاتا ہے اور عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ جس طرح ایمان کے مختلف مرتبے اور شاخیں ہیں اسی طرح کفر کے بھی مرتبے اور شاخیں ہیں۔ بعض شاخوں سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور بعض سے گناہ گار۔

اسی وجہ سے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے وہ احادیث جمع کی ہیں جس میں گناہوں کو کفر کہا گیا ہے حالاں کہ علماء میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس سے انسان اسلام سے نکل جاتا اور مرتد ہو جاتا ہے۔

ساتواں قاعدہ: ایمان کے بعض شعبے اور کام کبھی کفر یا نفاق یا جاہلیت کے شعبوں کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔

اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے، اُن کا خیال یہ ہوتا ہے کہ انسان یا تو خالص مسلمان ہو سکتا ہے یا خالص کافر اور ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔

دلیل:

رسول اللہ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انك امرء فيك جاهلية (تم ایک ایسے شخص ہو کہ جس میں جاہلیت ہے۔)

ابوذر رضی اللہ عنہ میں جاہلیت کی ایک شاخ تھی باوجود اس کے کہ وہ ایک بڑے درجے کے صحابی تھے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من مات ولم يغز ولم يحدث نفسه باالغزو مات على شعبة من النفاق

جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ اس نے غزا کیا اور نہ ہی اس کی سوچ کی تو وہ منافقت کے ایک شعبے پر مرا۔

آٹھواں قاعدہ: امت کے ایمان اور طاعت کے مرتبوں میں بہت فرق ہے (یہ ساتویں قاعدے کی تاکید ہے۔)

یعنی کوئی اللہ تعالی کے حکموں کی تابعداری زیادہ کرتا ہے اور کوئی کم۔ کوئی اللہ تعالی کی نواہی سے اپنے آپ کو زیادہ بچاتا ہے اور کوئی کم۔ اسی وجہ سے لوگوں کے ایمان میں، تابعداری میں اور اللہ تعالی سے نزدیکت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ (اسی وجہ سے سَلَف صالحین کہتے ہیں کہ الایمان یزید وینقص (ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے)

دلیل:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا‌ ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (الفاطر:۳۲)

پھر ہم میراث میں دیتے ہیں کتاب اپنے بندوں میں سے ان کو جنہیں ہم نے چنا ہے۔ بعضے ان میں سے ظلم کرنے والے تھے اپنی جانوں پر، بعضے ان میں سے میانہ روی کرنے والے تھے اور بعضے ان میں سے آگے بڑھنے والے تھے نیکیوں کی طرف۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت کی تین قسمیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک ظلم کرنے والے اپنی جانوں پر جن کے گناہ زیادہ تھے نیک اعمال سے۔ دوسرے وہ کہ جن کے گناہ اور نیک اعمال برابر تھے۔ تیسرے آگے بڑھنے والے کہ جن کے نیک اعمال زیادہ تھے گناہوں سے۔ ان تینوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو ہم نے چنا ہے اور ان تینوں سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ایمان کے مرتبے:

پیچھے بیان گزرا کہ ایمان کے مراتب میں بہت فرق ہوتا ہے اور ایمان کے بہت سے مراتب ہوتے ہیں لیکن اصل اور بڑے مرتبے تین ہیں۔ ایک ان میں سے اصل ایمان ہے جو کہ ادنیٰ مرتبہ ہے۔ دوسرا واجب ایمان ہے جو کہ درمیانہ مرتبہ ہے۔ تیسرا مستحب ہے جو کہ اعلیٰ مرتبہ ہے۔

1۔ اصل ایمان:

اصل ایمان اُسے کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے انسان مسلمان شمار ہوتا ہے اور اگر یہ انسان میں نہ ہو تو وہ مسلمان نہیں شمار ہوگا۔ اسے ایمانِ مجمل بھی کہتے ہیں اور ایسے شخص کو ناقصُ الایمان کہتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عام لوگ جب کفر سے اسلام کی طرف آتے ہیں یا اسلام میں پیدا ہو جائیں اور اسلام کے احکام اپنے اوپر لازم کرلیں اور اللہ اور رسول کی تابعداری اختیار کرلیں تو وہ مسلمان ہیں اور ان کا ایمان اجمالی ایمان ہے لیکن اسلام کی حقیقت ان کے دلوں میں کم ہوتی ہے اگر اللہ ان کو نصیب کریں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو ایمان کی حقیقت نصیب نہ کریں تو بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کے ایمان میں یقین پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی اگر ان کے دل میں شک ڈالے تو ان کے ایمان میں شک پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ان کو جہاد کا حکم کیا جائے تو جہاد نہیں کرتے۔

وہ نہ کافر ہوتے ہیں اور نہ منافق بلکہ ان کے اندر وہ علمِ معرفت و یقین ناپید ہوتا ہے کہ جس کے ذریعے وہ اپنے شک کو ختم کریں، اور نہ ان کے پاس اللہ و رسول کی ایسی قوی محبت ہوتی ہے کہ جس کو وہ اپنے اھل و عیال اور مال پر ترجیح دیں۔ایسے لوگوں کا اگر امتحان نہ ہو اور اسی حالت میں مر جائیں تو جنت میں جائیں گے ،اور اگر کوئی ان کے دل میں شکوک ڈالے اور اللہ تعالی ان شکوک کو دور نہ فرمائیں تو وہ (اپنے ایمان میں) شکی ہو جاتے ہیں اور ایک قسم کے منافق بن جاتے ہیں۔ اگر ان پر جھاد مقرر و متعین ہو جائے اور پھر وہ جھاد نہ کریں تو عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عام لوگ ایمان لے آئے لیکن جب ان پر امتحان آیا تو بعض ان میں سے منافق بن گئے (جیسا کہ آج کل بھی یہی حالت ہے)۔ اگر یہ لوگ امتحان سے پہلے مر جاتے تو ان کی موت اسلام پر ہوتی اور وہ جنت میں داخل ہوتے لیکن ان مؤمنین کے درجے تک نہ پہنچتے جن پر امتحان آئے اور ان کی صداقت ظاہر ہو گئی۔(مجموع الفتاویٰ ج:7 ص:271)

2۔ایمانِ واجب:

ایمانِ واجب اسے کہتے ہیں کہ فرض اور واجب ادا کرے اور بڑے گناہوں سے بچے۔ اسے ایمانِ مفصل بھی کہتے ہیں اور ایسے شخص کو کامل الایمان کہتے ہیں۔

3۔ایمانِ مستحب:

ایمانِ مستحَب اسے کہتے ہیں کہ فرض و واجب اور سنت و مستحَبات سب اچھے طریقے سے ادا کرے اور حرام کاموں سے بچے۔

نواں قاعدہ: اللہ اور رسول ﷺ نے جسے کافر نہ کہا ہو تو اس کی طرف کفر کی نسبت نہیں کی جا سکتی[1]۔

یعنی کسی کو کافر کہنا خالص اللہ و رسول کا حق ہے، یہ بندوں کا حق نہیں ہے۔ چناں چہ کافر وہ شخص ہوگا جس کو اللہ و رسول نے کافر کہا ہو۔ اسی طرح کسی پر فسق یا عدالت کا حکم لگانا یا کسی کی جان کا مباح یا غیر مباح ہونے کا حکم لگانا بھی خالص اللہ تعالی کا حق ہے۔ یہ مسائل عقیدے کی کتابوں میں مسائل الاسماء والاحکام کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو کافر کہنا ایک شرعی مسئلہ ہے جو کہ رائے اور عقل سے نہیں پتہ چلتے۔

---

[1]- كذا قال حافظ ابن تيمية في الرد على البكري ص ۲۵۷

اسی وجہ سے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہلِ علم وسنت اپنے مخالفین کی طرف کفر کی نسبت نہیں کرتے تھے، اگرچہ مخالفین ان کی طرف کفر کی نسبت کرتے تھے۔ کیوں کہ کفر ایک شرعی حکم ہے جو کہ شارع کا حق ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں سزا بالمثل دے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک آدمی آپ پر تہمت لگائے یا آپ کی بیوی سے زناء کرے تو آپ کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ آپ بھی اس پر تہمت لگائیں یا اس کی بیوی سے زناء کریں۔ کیوں کہ تہمت اور زناء اللہ تعالی کے حق کی وجہ سے حرام ہیں۔ اسی طرح کسی کو کافر کہنا بھی اللہ تعالی کا حق ہے۔ لہٰذا صرف اسی شخص کو کافر کہا جاسکتا ہے جسے اللہ و رسول نے کافر کہا ہو۔ (الرد علی البکری ج:2 ص:492)

اسی طرح حافظ ابن قیم رحمہ اللہ قصیدہ نونیہ میں کہتے ہیں:

الکفر حق اللہ ثم رسولہ بالشرع یثبت لا بقول فلان

من کان رب العالمین وعبدہ قد کفراہ فذاك ذوالکفران

کفر اللہ و رسول کا حق ہے جو کہ شریعت سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ فلاں کے قول سے

جس کو رب العالمین اور اس کا بندہ ﷺ کافر کہیں تو وہی کافر ہوگا۔

اسی طرح شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں کہتے ہیں:

فان اھل السنۃ یخطئون ولا یکفرون

اھل السنہ کسی کی طرف خطاء کی نسبت کرتے ہیں کہ فلاں سے خطاء ہو گئی لیکن کفر کی نسبت نہیں کرتے کہ فلاں کافر ہوگیا۔

دسواں قاعدہ: کفر کی نسبت کرنے میں جلدی سَلَف کا عقیدہ نہیں ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول:

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مناسب نہیں ہے تمھارے لیے اے فقیہ (عالم) کہ تم ایک مسلمان کو کافر قرار دینے میں جلدی کرو مگر دلیل قطعی سے، جیسا کہ تمھارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم ایسے شخص کے بارے میں دوستی اور تعلق کا عقیدہ رکھو کہ جس کی بے ایمانی اور زندیقیت واضح ہو۔ ان دونوں میں سے ایک کام بھی نہ کرو (یعنی بلا وجہ کفر کے فتوے بھی نہیں لگاؤ اور نہ ہی بے دین لوگوں سے دوستی کرو)۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ وہ شخص جو کہ مسلمانوں کے علم میں نیک عمل ہو تو وہ نیک عمل ہوگا، کیوں کہ مسلمان زمین میں اللہ تعالی کے گواہ ہیں

کیوں کہ امت گمراہی پر نہیں جمع ہوتی، اور وہ شخص جو مسلمانوں کے علم میں فاسق یا منافق یا باطل پرست ہو تو وہ اسی طرح فاسق یا منافق یا باطل پرست ہوگا۔ (سیر اعلام النبلاء ج:14 ص:342)

امام غزالی رحمہ اللہ کا قول:

اسی طرح حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کسی کی طرف کفر کی نسبت کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ کفر کی نسبت میں جلدی جاہل ہی کرتے ہیں۔ کفر کی نسبت کرنے سے اپنے آپ کو ایسے ہی بچانا چاہیے جیسا کہ انسان اپنی جان بچانے کے لیے راستے تلاش کرتا ہے۔ کیوں کہ اس شخص کی جان اور مال مباح سمجھنا ایک غلطی ہے جو قبلے کی طرف نماز پڑھے اور اعلانیہ کلمہ پڑھے۔ ہزار کافروں کو چھوڑ دینے میں غلطی آسان کام ہے کسی مسلمان کا غلطی سے خون بہانے سے۔ وصیت یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے اپنی زبان اہلِ قبلہ سے بند کرلو جب تک وہ کلمہ پڑھیں اور جب تک اس کلمے کے ساتھ متناقض نہ ہوں (یعنی نواقضِ ایمان ان میں نہ ہوں)۔ (بحواله التكفير مفهومه واخطاره وضوابطه ص:۷۴)

ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ کا قول:

ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسلمان کی طرف کفر کی نسبت کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ (الزواجر عن اقتراف الكبائر ج:2 ص:205)

بے جا تکفیر کے اسباب

لوگ جو کفر کے فتوے بہت لگاتے ہیں اس کے کچھ اسباب ہیں:

1۔ پہلا سبب: جہل مرکب

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

فاالتوقف عن التکفیر اولی والمبادرۃ الی التکفیر انما تغلب علی طباء من یغلب علیھم الجھل (بغیۃ المرتاد ص ۳۴۵)

کفر کا فتویٰ لگانے سے رک جانا بہت بہتر ہے اور کفر کے فتوے میں جلدی وہی شخص کرتا ہے جس کے مزاج میں جہل غالب ہو۔

2۔ دوسرا سبب: بدعت اور خواہش پرستی

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعضی بری بدعتوں میں سے ایک کفر کی نسبت کرنا ہے مسلمانوں کی ایک جماعت کی دوسری جماعت کی طرف اور ان کی جان ومال کو حلال جاننا۔ عام طور پر بدعتیوں کا یہی حال ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور اس آیت کے مصداق ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (الانعام:۱۵۹)

یقینا وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کر لیا اور وہ جماعتوں میں بٹ گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

3۔ تیسرا سبب: علماء کی کمی

یعنی ایسے علماء کا نہ ہونا جو جید اور اعتمادی ہوں اور مسائل میں عبور اور مہارت رکھتے ہوں بلکہ کم عمر اور جذباتی ہوں جو کہ فتوے دیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

<u>ان من اشراط الساعۃ ان یلتمس العلم عند الاصاغر</u>

(رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط واللالکائی فی اعتقاد اھل السنۃ ص ۱۰۲ وصححہ البانی فی السلسلۃ الصحیحۃ ص ۶۹۵)

قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم چھوٹوں کے پاس تلاش کیا جائے گا۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لایزال الناس بخیر ماکان علمائھم المشایخ ولم یکن علمائھم الاحداث

لوگ اس وقت تک خیر پر رہیں گے جب تک ان کے علماء بڑے ہوں گے اور کم عمر نہ ہوں گے۔

پھر وہ کہتے ہیں:

لان الشیخ قد ذالت عنه حدة الشباب ومتعته وعجلته واستصحب التجربة فی اموره الخ

(نصیحة اهل الحدیث للخطیب البغدادی ص ۹۳)

کیوں کہ بڑی عمر کے شیخ کا جوانی کا جوش اور جلد بازی ختم ہو چکی ہوتی ہے اور اس کو کاموں کا تجربہ حاصل ہو چکا ہوتا ہے۔

4۔ چوتھا سبب: غلو کے بدلے غلو

یعنی ایک فریق غلو کرے تو دوسرا بھی اس کے جواب میں غلو کرے، جیسا کہ خوارج نے غلو کیا تو ان کے مقابلے میں مرجئہ پیدا ہو گئے، یا جیسے ہمارے زمانے میں بعض لوگ کافر اور مرتد کو بھی مسلمان کہتے ہیں، اور ان کے مقابلے میں بعضے دوسرے اتنا غلو کرتے ہیں کہ مسلمان کو بھی مرتد اور کافر کہتے ہیں۔

گیارہواں قاعدہ: کسی پر کفر کا حکم لگانا ہر کسی کا کام نہیں ہے۔

بعضے کم عمر و کم علم جذباتی لوگ ہر کسی کو کافر اور مرتد کہتے ہیں۔ جبکہ کفر کا حکم لگانا مضبوط علماء کا کام ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:۴۳)

پوچھو اہلِ علم سے اگر تمہیں معلوم نہ ہو۔

بارہواں قاعدہ: مذہب کے لازم سے انسان کافر نہیں ہوتا

ابنِ رشد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی بات کی تصریح نہ کرے جو کہ کفر ہو لیکن ایسے اقوال کی تصریح کرے جس سے کفر لازم آتا ہے، لیکن اس کا یہ عقیدہ نہ ہو۔ (بدایة المجتهد ج:2 ص:492)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مذہب کا لازم مذہب نہیں ہوتا۔ جب کوئی عالم ایک چیز کا ذکر کرے اور اس کے ذہن میں اس چیز کا لازم نہ ہو اور جب وہ لازم سنے تو اس کا انکار کرے۔ (فتح الباری ج:12 ص:337)

اسی طرح حافظ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ کسی انسان کے مذہب کا لازم اس کا مذہب نہیں ہوتا جب کہ اس انسان نے اس لازم کا التزام نہ کیا ہو۔ (مجموع الفتاویٰ ج:20 ص:217)

اس وجہ سے بہت سے لوگ یہ غلط گمان کرتے ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالی کے لیے جہت کو مانتے ہیں تو مجسمہ ہیں۔ کیوں کہ جہت کے ساتھ جسم لازم ہوتا ہے۔ یہ گمان غلط ہے کیوں کہ وہ اللہ تعالی کے لیے جسم کے قائل نہیں ہوتے۔

محققین کے نزدیک مذہب کا لازم مذہب نہیں ہوتا۔ چناں چہ یہ جائز نہیں ہے کہ ایک انسان کی طرف اس کے کلام کے لازم کی وجہ سے ایسی چیز کی نسبت کی جائے جس سے وہ بھاگتا ہے۔ (اقاویل الثقات۔للکرمی ص ۹۲)

واقعہ:

ایک شخص نے ایک عالم کے سامنے چپلیں رکھ دیں۔ دوسرے شخص نے اس سے کہا کہ تم کافر ہوگئے کیوں کہ تم نے علماء کی توہین کی ہے اور عالم کی توہین شریعت کی توہین ہے اور شریعت کی توہین رسول اللہ ﷺ کی توہین ہے اور رسول اللہ ﷺ کی توہین اللہ تعالی کی توہین ہے اور اللہ تعالی کی توہین کفر ہے۔

اس شخص نے پہلے شخص کو لازم کی وجہ سے کافر کہا اور لازم کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ لازمِ مذہب کی وجہ سے کسی کو کافر کہنا بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔ اسی وجہ سے معتزلہ نے بہت سے لوگوں کو کافر قرار دیا اور ان کے مال و عزت اور جان کو مباح کہا۔ (اقاویل الثقات للکرمی ص ۹۲)

ابن حزم اور ابن حجر مکی رحمھما اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ لازمِ مذہب لازم نہیں ہوتا۔ (الفصل ص ۲۹۴ ج ۳)

تیرہواں قاعدہ: کبھی ایک بات یا کام کفر کا ہوتا ہے لیکن وہ بات کرنے والا یا وہ کام کرنے والا کافر نہیں ہوتا۔

اس قاعدے کو بعض علماء نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

ليس كل من وقع في الكفر وقع الكفر عليه

نہیں واقع ہوتا کفر ہر اس شخص پر جو کفر میں واقع ہو جائے۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ کبھی ایک بات یا کام قرآن و حدیث میں کفر ہوتا ہے لیکن اس بات یا کام کا کرنے والا کافر نہیں ہوتا، کیوں کہ اس کا کوئی عذر ہوتا ہے۔ بعض علماء اس قاعدے کو ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں کہ تکفیر مطلق اور تکفیر معین کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ تکفیرِ مطلق کا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص عمومی بات کہے، جیسا کہ "جس نے یہ بات یا یہ کام کیا تو وہ کافر ہو جائے گا"۔

تکفیرِ معین کا مقصد یہ ہے کہ کسی خاص شخص پر کفر کا حکم لگایا جائے کہ فلاں شخص کافر ہے کیوں کہ اس نے یہ کفریہ بات کہی ہے یا یہ کفریہ کام کیا ہے۔ یہ بات اس وقت کہہ سکتا ہے کہ جب کفر کی شرائط موجود ہوں اور کفر کا کوئی مانع اور عذر موجود نہ ہو۔ (مسئلہ التکفیر عند ابن تیمیہ ص ۱۹۳ ج ۸)

جب کفر کی شرائط موجود ہوں اور اس کے موانع موجود نہ ہوں تو پھر کفر اور ارتداد کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ پھر اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر توبہ کرلے تو بہت اچھا ورنہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جیسا کہ جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی بات نہیں کرتے یا اللہ تعالی کو آخرت میں نہیں دیکھا جاسکتا یا جیسے اللہ تعالی ہر جگہ ہیں۔ لیکن بعض لوگوں کو یہ بات معلوم نہ ہوگی کہ یہ باتیں کفر کی ہیں۔

اس میں طریقہ یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ عام بات کرے جیسا کہ سَلَف صالحین کہتے تھے کہ جو یہ کہے کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ کافر ہے، یا جو یہ بات کہے کہ اللہ تعالی کو آخرت میں نہیں دیکھا جاسکتا تو وہ کافر ہے اور اگر کوئی یہ بات کہے تو اس کو کافر اس وقت کہا جائے گا کہ جب اس پر دلیل قائم کردی جائے۔ (یعنی اس کو سمجھایا جائے، اس کے بعد بھی اگر یہی بات کرے تو وہ کافر ہے۔) (مجموع الفتاوی ص ۶۱۹ ج ۷)

اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ ایک معین اور خاص مسلمان کے بارے میں ایک گناہ کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ جہنمی ہے، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی شرط موجود نہ ہو یا کوئی مانع موجود ہو۔ مثلاً اس کو معلوم نہ ہو کہ یہ کام حرام ہے یا اس کو معلوم ہو لیکن اس نے اس حرام کام سے توبہ کرلی ہو یا اس نے پہلے بڑی بڑی قربانیاں دی ہوں اور نیک کام کیے ہوں جس کی وجہ سے اس کو اس گناہ کے عذاب سے نجات مل گئی ہو یا اس کی وجہ سے اس پر مصیبتیں آگئی ہوں جس کی وجہ سے اس کا یہ گناہ معاف ہوگیا ہو، یا کسی کی سفارش (مثلاً شھید کی سفارش) سے یہ گناہ معاف ہو جائے۔

اسی طرح ایک خاص مسلمان کو کفریہ باتوں کی وجہ سے کافر نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ اس کو اس بارے میں آیات و احادیث نہ پہنچی ہوں کہ یہ بات کفر ہے، یا اس کو آیات و احادیث تو پہنچی ہوں لیکن وہ اس کا مقصد نہ سمجھا ہو یا اس کو اس میں کوئی اور شبہ ہوگیا ہو۔ (مجموع الفتاوی ص ۳۴۵ ج ۲۳ وانظر ص ۱۷۹ ج ۳)

اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ متاول اور معذور کا حکم معاند اور فاجر کی طرح نہیں ہے۔ اسی طرح فرماتے ہیں کہ کسی معین اور خاص شخص کو کافر کہنے کے لیے پہلے اس پر دلیل قائم کرنا ضروری ہے اور اس پر یہ بات ثابت کرنا ضروری ہے کہ تمھارا یہ کام رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہے۔

یہ بات بھی ضروری ہے کہ بات اور دلیل اس کے فہم اور سمجھ کے مطابق ہو۔ اس کی عقل کا اندازہ لگالیا جائے تاکہ وہ دلائل کو سمجھ سکے اور اسی طرح اس سے پوچھا بھی جائے گا اور بحث بھی کی جائے گی۔

چودھواں قاعدہ: جس کا ایمان یقینی طور پر ثابت ہو تو وہ شک سے زائل نہیں ہوتا

سَلَف صالحین اس قاعدے پر بہت عمل کرتے تھے، اسی وجہ سے وہ کسی کو کافر کہنے سے بہت بچتے تھے (جیسا کہ دسویں قاعدے میں ذکر ہوا)۔ اسی وجہ سے جب علی رضی اللہ عنہ سے نہروان کے خوارجوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ اکفار ھم (کیا وہ کافر ہیں؟) تو انہوں نے فرمایا کہ مِن الکفر فرّوا (کفر سے تو انہوں نے فرار اختیار کیا ہے)۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ امنافقون ھم (کیا وہ منافقین ہیں؟) تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ المنافقون لایذکرون اللہ الا قلیلا و اولئك یذکرون اللہ صباحا و مساء (منافقین اللہ تعالی کا ذکر کم کرتے ہیں اور یہ لوگ اللہ تعالی کا صبح شام ذکر کرتے ہیں) اور پھر فرمایا کہ انما ھم اخواننا بغوا علینا (یہ ہمارے ہی بھائی ہیں جنہوں نے ہم سے زیادتی کی ہے۔) (اخرجہ البیھقی فی السنن الکبریٰ ص ۱۷۳ج۸)

اسی وجہ سے اھل السنۃ والجماعۃ انسان کو گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے اور روایات میں آتا ہے کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر یا اللہ کا دشمن یا فاسق کہے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ بات اس پر پلٹ جاتی ہے۔

اسی طرح اھل السنۃ والجماعۃ ہر مخالف کو کافر نہیں سمجھتے بلکہ اپنے مخالف کا حکم اس کی مخالفت کے بقدر لگاتے ہیں کہ یہ مخالف کافر ہے یا بدعتی ہے یا فاسق ہے یا گناہ گار۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اھل السنۃ کو اللہ تعالی نے علم و ایمان، عدل و انصاف اور مخلوق پر شفقت نصیب کری تھی برخلاف خوارج و معتزلہ یا بدعتیوں کے دیگر فرقوں کے، کہ ان میں سے اکثر ایسے تھے کہ جو اپنے مخالف کو کافر سمجھتے تھے۔

پندرہواں قاعدہ: تکفیر کی شرائط

یعنی جس پر کفر کا حکم لگایا جائے، اس کے لیے چار شرائط ہیں:

پہلی شرط: قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہو کہ یہ بات یا یہ کام کفر ہے۔

کیوں کہ اگر یہ ثابت نہ ہو تو ایک بات یا ایک کام کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (الاسراء:۳۶)

نہ پیچھے پڑو اس بات کے جس کا تمھارے پاس علم نہیں۔

حاصل یہ کہ تکفیر ایک شرعی حکم ہے جس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کفر شرعی حکم ہے جیسا کہ غلامی، آزادی۔ کیوں کہ کفر کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جان مباح ہے اور یہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ یہ قول قاضی عیاض اور ابن تیمیہ رحمہما اللہ کا بھی ہے۔

اس مسئلے کی تفصیل شیخ منقذ بن محمود السقار نے التکفیر و ضوابطہ میں درج ذیل کتابوں سے نقل کی ہے:

- فیصل التفرقة بین الاسلام والذندقة ص ۱۲۸
- الشفأ بتعریف حقوق المصطفٰی ص ۲۸۲ ج ۲
- درٔ تعارض العقل والنقل ص ۲۴۲ ج۱
- بغیة المرتاد ص ۳۴۵ ج ۱
- ایثار الحق علی الخلق ص ۴۰۵
- مجموع الفتاوٰی ص ۴۶۸ ج ۱۲ ص ۱۶۵ج ۳۵

پھر اس کے بعد علماء کے اقوال نقل کیئے ہیں۔ ص: 14 سے علماء نے بہت تاکیدیں کی ہیں کہ کفر کے فتویٰ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔امام غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

والخطأفی ترك الف كافرفی الحیاة اهون فی سفك محجمة من دم مسلم (الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۲۲۳)

ہزار کافروں کو چھوڑنے میں غلطی ہلکی ہے کسی مسلمان کا بے وجہ معمولی سا خون بہانے سے۔

اور کہتے ہیں کہ تکفیر میں خطرہ ہے اور سکوت عن التکفیر (تکفیر نہ کرنے) میں خطرہ نہیں ہے۔(فیصل التفرقه بین الاسلام و الزندقة ص:128)

دوسری شرط: یہ بات ثابت ہو کہ اس شخص نے یہ بات یا یہ کام کیا ہے

کیوں کہ اگر یہ ثابت نہ ہو تو ایسے ہی گمان کی بنیاد پر کسی کو بدنام کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (الاسراء:۳٦)

نہ پیچھے لگو اس بات کے جس کا تمھیں علم نہیں ہے۔

اسی طرح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو فقد باء بها احدهما ان كان كما قال والا رجعت عليه یعنی دونوں میں سے ایک کفر میں گھِر گیا۔ اگر وہ شخص یقینی کافر ہو تو پھر تو صحیح ورنہ یہ لفظ اس کی طرف پھر جائے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس الزام اور تھمت کی وجہ سے ایک معصوم خون حلال ہو جاتا ہے۔

تیسری شرط:اس شخص کو دلیل پہنچ چکی ہو۔

یعنی اس کو سمجھایا جاچکا ہو، کیوں کہ اگر جاہل ہو تو اسے کافر نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (الاسراء:۱۵)

ہم عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ بھیجیں ہم رسول۔

اور اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا (القصص:۵۹)

نہیں ہیں آپ کے رب ہلاک کرنے والے علاقے والوں کو یہاں تک کہ بھیجیں اس کے مرکز میں رسول۔

چوتھی شرط:اس شخص کے حق میں تکفیر کا کوئی مانع موجود نہ ہو۔

یعنی جس شخص نے کفر کی بات یا کام کیا ہو، اس کے حق میں کوئی تکفیر کا مانع موجود نہ ہو۔ کیوں کہ اگر تکفیر کا مانع موجود ہو تو اسے کافر نہیں کہا جاسکتا۔ (مجموع فتاوی ورسائل الشیخ ابن عثیمین ص۱۷۸ ج ۳)

سولہواں قاعدہ: تکفیر کے موانع

یعنی وہ عذر کہ جس کی وجہ سے کسی شخص پر کفر یا ارتداد کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ کفر کے بعض اسباب ہوتے ہیں کہ جب وہ موجود ہوں تو انسان کافر یا مرتد ہوتا ہے, انہیں نواقض الایمان کہا جاتا ہے۔ اس کا بیان پیچھے گزر چکا۔

اسی طرح کفر کے لیے بعض ایسے اعذار ہیں کہ اگر وہ موجود ہوں تو انسان کافر نہیں ہوتا، انہیں موانع التکفیر یعنی تکفیر کے موانع کہا جاتا ہے۔ یہ موانع چار ہیں:

1۔ جھل 2۔خطاء 3۔اکراہ 4۔تاویل

خلاصہ یہ ہوا کہ کفر کے اول اسباب ہوتے ہیں، دوسری شرائط اور تیسرے موانع۔

پہلا مانع: جہل

جہل کہتے ہیں "خلو النفس من العلم" کو۔ یعنی کسی کے پاس کسی چیز کا علم نہ ہو، جیسا کہ کوئی شخص ایک بات کہے یا اس کا کوئی عقیدہ ہو اور اس کو معلوم نہ ہو کہ یہ بات یا یہ عقیدہ حرام ہے۔ جیسے کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ نماز فرض نہیں ہے یا اللہ تعالی جسموں کو جمع کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے حکم سے جاہل ہو کہ جس کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے لیکن اس کو حکم نہ پہنچا ہو یا اس کو حکم تو پہنچا ہو لیکن وہ اس کو سمجھا نہ ہو تو یہ جہل عذر ہے اور اس شخص کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔

دلائل:

پہلی دلیل:

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَمَاكُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (الاسراء:۱۵)

ہم عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ بھیجیں ہم رسول۔

یعنی اگر کسی شخص کو رسولوں کے ذریعے نہیں سمجھایا گیا تو وہ معذور ہے، اسے اللہ تعالی عذاب نہیں دیں گے۔

دوسری دلیل:

بخاری شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص اپنے آپ پر ظلم کرتا تھا (یعنی گناہ گار تھا) جب وفات ہونے لگا تو اس نے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا، پھر مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اڑا دینا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالی نے مجھ پر قدرت پالی تو مجھے ایسا عذاب دیں گے کہ جیسا کسی کو بھی نہیں دیا ہوگا۔

جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اس کے ساتھ ویسا ہی کیا جیسا اس نے کہا تھا۔ اللہ تعالی نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے جسم کے ذرات کو جمع کرے۔ زمین نے اس کے جسم کو جمع کیا۔ جب وہ اللہ تعالی کے سامنے کھڑا ہو تو اللہ تعالی نے اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کے ڈر کی وجہ سے تو اللہ تعالی نے اس کی بخشش فرمادی۔

یہ شخص اللہ تعالی کی "قدرت" سے جاہل تھا۔ اس کا گمان یہ تھا کہ جب اس کو جلا دیا جائے اور اس کی راکھ سمندر و خشکی میں بہادی جائے تو اللہ تعالی اس کو جمع نہیں کر سکتے۔ یعنی اس نے اللہ تعالی کی قدرت میں شک کیا اور اللہ تعالی کی قدرت میں اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے میں شک کرنا کفر ہے۔ لیکن یہ شخص اس حکم جاہل تھا تو اللہ تعالی نے اس کی بخشش فرمادی۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آدمی کا یہ عقیدہ تھا کہ جب میری راکھ اڑادی جائے گی تو میں واپس جمع نہیں ہو سکتا۔ یہ عقیدہ مسلمانوں میں اتفاقی طور پر کفر ہے لیکن یہ شخص جاہل تھا اور اس بات کو نہیں سمجھتا تھا اور مؤمن بھی تھا، اللہ تعالی کے عذاب سے ڈرتا تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالی نے اس کی بخشش فرمادی۔ (مجموع الفتاویٰ ج:3 ص:231)

علامہ خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس کی کیسے بخشش فرمادی حالاں کہ یہ تو مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا اور مُردوں کو زندہ کرنے کی اللہ تعالی کی قدرت کا منکر تھا؟

پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ یہ شخص دوبارہ زندگی کا منکر نہیں تھا بلکہ اس سے جاہل تھا۔ اس کا گمان یہ تھا کہ جب میرے ساتھ ایسا کام ہو جائے تو میں دوبارہ واپس جمع نہیں کیا جاسکتا اور اللہ تعالی مجھے عذاب نہیں دیں گے۔ اس کا ایمان اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے یہ اقرار کیا کہ میں نے یہ کام اللہ تعالی کے ڈر کی وجہ سے کیا۔ (فتح الباری ص ۵۲۲ ج ٦)

ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اللہ تعالی کی ایک صفت یعنی علم اور قدرت سے جاہل تھا، جس کی وجہ سے یہ ایمان سے نہیں نکلا۔
(التمهيد ص ٤٦ ج ١٨)

تیسری دلیل:

ابن ماجہ میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اسلام پرانا ہو جائے گا جیسا کہ کپڑوں کی کڑائی پرانی ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ لوگ نماز و روزہ، قربانی و صدقہ بھی نہ پہچانیں گے، اور اللہ تعالی کی کتاب رات و رات اٹھالی جائے گی، زمین پر ایک آیت بھی نہیں رہے گی۔ کچھ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں رہ جائیں گی جو کہیں گے کہ ہمارے والدین یہ کلمہ لا الہ الّا اللہ پڑھتے تھے تو ہم بھی پڑھتے ہیں۔

"صِلہ" رحمہ اللہ جو کہ ایک راوی ہیں، نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ نماز و روزہ، قربانی و صدقہ نہیں جانتے ہوں گے تو ان کو لا الہ الّا اللہ کیا فائدہ دے گا؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے منہ پھیر لیا۔ صِلہ رحمہ اللہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات تین دفعہ کہی، تینوں دفعہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ ان سے پھیر لیا، تیسری دفعہ ان کی طرف رُخ کیا اور تین دفعہ فرمایا کہ تنجیھم من النار (انہیں آگ سے نجات دے گا)۔

فائدہ:

ان لوگوں کو صرف کلمہ آتا تھا اور کلمے کے علاوہ دین کی کوئی اور بات ان کو معلوم نہ تھی، پھر بھی اللہ تعالی نے ان کو آگ سے نجات دے دی، کیوں کہ وہ جہل کی وجہ سے معذور تھے۔ یعنی صرف کلمے کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کو آگ سے نجات دے دی۔

چوتھی دلیل:

مسند احمد میں حدیث نمبر: 15866 میں اسود بن سریع رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ چار لوگ قیامت کے دن دلیل پیش کریں گے:

1۔ بہرہ شخص جو کچھ بھی نہ سنتا ہو۔

2۔ پاگل

3۔ انتہائی بوڑھا شخص

4۔ وہ شخص جو فَترت کے زمانے میں مرا ہو۔

بہرہ اللہ تعالی سے کہے گا کہ اے میرے رب اسلام آیا لیکن میں نے کچھ بھی نہ سنا۔ پاگل کہے گا کہ اسلام آیا لیکن اس حال میں کہ مجھے بچے پتھر مارتے تھے۔ بوڑھا کہے گا کہ اسلام آیا لیکن ایسے وقت میں کہ میں کچھ نہیں سمجھتا تھا۔ اور جو شخص فترت کے زمانے میں مرا ہوگا وہ کہے گا کہ اے میرے رب میرے پاس آپ کا پیغمبر نہیں آیا۔

ان سے اللہ تعالی وعدے لیں گے کہ تم میری تابعداری کروگے۔ اللہ تعالی ان کے پاس ایک پیغام بھیجیں گے کہ آگ میں داخل ہو جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر وہ آگ میں داخل ہو جائیں گے تو آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جو شخص آگ میں داخل ہو جائے گا تو آگ اس کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی اور جو شخص آگ میں داخل نہ ہوگا تو اسے آگ میں کھینچا جائے گا۔ (قال ابن تیمیة و ابن قیم و البانی حدیث صحیح بحوالة الغلو فی التکفیر ص٣٦)

فائدہ:

یہ لوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے پھر بھی اللہ تعالی نے یہ فیصلہ نہیں فرمایا کہ یہ لوگ جہنم میں داخل کیے جائیں بلکہ پہلے ان کا امتحان لیا جائے گا، کیوں کہ ان کو اسلام کا پتہ نہیں چلا اس لیے معذور تھے۔

اس لیے اگر کوئی شخص کلمہ پڑھے اور اسلام کا دعوہ کرے اور اس سے جہالت کی وجہ سے کوئی ایسا کام ہو جائے جو ناقضِ ایمان ہو تو وہ بطریقہ اولی معذور ہے۔

"الغلو فی التکفیر" میں کہتے ہیں کہ یہاں ایک بات کا جاننا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جن لوگوں کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہو یا دعوت تو پہنچی ہو لیکن وہ اسلام کی حقیقت کو نہ سمجھے ہوں اور کفری دین پر ہوں، جیسے یہودیت یا نصرانیت وغیرہ پر تو ان کے دو حکم ہیں۔ ایک تو ان کا دنیا میں ظاہری حکم ہے کہ وہ دنیا میں کافر شمار ہوں گے اور کفار کی طرح کا معاملہ ان سے کیا جائے گا۔ دوسرا ان کی آخرت کا حکم ہے اور وہ یہ کہ ان

کا امتحان لیا جائے گا، جیسا کہ نبی ﷺ نے بیان فرمایا۔ ان میں سے بعضے لوگ جہنم میں جائیں گے اللہ تعالی کے علم کے مطابق اور بعضے جنت میں جائیں گے اللہ تعالی کے علم کے مطابق۔

پانچویں دلیل:

عائشہ رضی اللہ عنھا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

مهما يكتم الناس يعلمه الله قال نعم (رواه مسلم ص ۹۷۴ والنسائی ۳۹۶۲)

کیا جو باتیں لوگ چھپاتے ہیں اللہ تعالی کو ان کا پتہ چلتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنھا کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اللہ تعالی کو ہر چیز کا علم ہے، حالاں کہ یہ دین کا ضروری مسئلہ ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج:11 ص:412) (نبی ﷺ نے اس پر نہ کفر کی نسبت کی اور نہ ہی سزا دی)۔

چھٹی دلیل:

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ حنین کی طرف جا رہے تھے اور مکہ کے نئے مسلمان آپ کے ساتھ تھے۔ ان لوگوں کا مشرکین کے ایک درخت پر گزر ہوا۔ اس درخت کا نام ذاتِ انواط تھا۔ اس پر مشرکین اپنے اسلحے لٹکاتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

اجعل لنا ذات انواط كما لهم ذات انواط (رواه الترمیذی ص ۲۱۸۰ واحمد ص ۲۱۳۹۰)

ہمارے لیے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر کر دیں جیسا کہ مشرکین کا ذاتِ انواط تھا۔

فائدہ:

ان کی یہ بات کفر تھی لیکن وہ اس بات سے کافر نہیں ہوئے، جہل کی وجہ سے۔ شیخ محمد بن عبد الوھاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو منع کیا، اگر وہ منع نہ ہوتے تو پھر اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ کافر ہو جاتے۔

اس قصے سے یہ بات پتہ چلی کہ جب کوئی مسلمان بلکہ ایک عالم ایک قسم کے شرک میں ہو لیکن اسے معلوم نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس بات کو جانے اور اس شرک سے اپنے آپ کو بچائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسلمان مجتھد کفر کی کوئی بات کہے لیکن اسے معلوم نہ ہو، پھر اس کو اس پر تنبیہ کی جائے اور وہ فوری توبہ کر لے تو یہ کافر نہ ہوگا۔ (کشف الشبہات ص:45)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دور میں جہل عذر تھا، لہٰذا بعد کے ادوار میں تو بطریقۂ اولیٰ عذر ہوگا۔(التکفیر وضوابطہ)

علماء کے اقوال:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا رد کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے اور جس نے دلیل کے ثابت ہونے کے بعد بھی اس کے خلاف کیا تو وہ کافر ہو جائے گا، لیکن دلیل کے قائم ہو جانے سے پہلے یہ جہل کی وجہ سے معذور ہے۔(فتح الباری ص۴۰۷ ج۱۳)

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں:

واما ماذکر الاعداأ عنی انی اکفر باالظن وباالموالاۃ او اکفر الجاھل الذی لم تقم علیہ الحجۃ فھٰذا بھتان عظیم یریدون بہ تنفیر الناس عن دین اللہ ورسولہ

(مجموع مؤلفات الشیخ بن عبد الوھاب قسم العقیدہ ص۲۵)

وہ بات جو میرے دشمن میرے بارے میں کہتے ہیں کہ میں گمان کی بنیاد پر یا کفار سے تعلق (یعنی ہر قسم کے تعلق) کی بنیاد پر کافر کرتا ہوں یا اس جاھل کی تکفیر کرتا ہوں کہ جس پر دلیل قائم نہیں ہوئی ہو، تو یہ بھتانِ عظیم ہے۔ وہ لوگ اس سے لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کے دین سے متنفر کرنا چاہتے ہیں۔

اسی طرح ابن عربی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جاھل یا خطاء کار اس وقت کافر ہوتا ہے کہ جب اس کو پوری وضاحت سے دلیل بیان کر دی جائے۔ (محاسن التاویل ص۲۱۹ ج۵)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اقوال:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعضے لوگ بعضے احکام سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ان کا یہ جہل عذر ہوتا ہے۔ کسی پر اس وقت تک کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ جب تک اس پر دلیل نہ قائم کر دی جائے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَاكُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (الاسراء:۱۵)

ہم عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ بھیجیں ہم رسول۔

اس وجہ سے اگر کوئی شخص مسلمان ہو جائے لیکن اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ نماز فرض ہے تو وہ اس عقیدے کی وجہ سے کافر نہ ہوگا اور نہ اس کو اس پر عذاب دیا جائے گا، جب تک کہ اس کو دلیل نہ پہنچ جائے۔

اسی طرح وہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص بغیر اطمنان کے نماز پڑھے اور اس کو معلوم نہ ہو کہ اطمنان نماز میں واجب ہے تو کیا اس پر اس نماز کا اعادہ ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو اقوال ہیں لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس پر اعادہ نہیں ہے۔

ساتویں دلیل:

جہل کے عذر ہونے کی ساتویں دلیل "حديث مسيئ في صلاته" ہے۔ اس میں نبی ﷺ نے چرواہے سے فرمایا کہ نماز پڑھو تمھاری نماز نہیں ہوئی، لیکن یہ نہیں فرمایا کہ اس سے پہلے جتنی نمازیں پڑھی ہیں ان کا اعادہ بھی کرو۔ کیوں کہ وہ جاہل تھا اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز میں اطمنان واجب ہے۔

آٹھویں دلیل:

عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ جنبی ہوگئے اور نماز نہیں پڑھی۔ نبی ﷺ نے ان سے نہیں فرمایا کہ اس کی قضاء پڑھو کیوں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ تیمّم جنابت کے لیے بھی جائز ہے۔

نویں دلیل:

ایک مستحاضہ نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ مجھے بہت سخت استحاضہ ہے، نماز روزے بھی مجھ سے چھوٹ گئے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ ہر نماز کے لیے وضوء کرو اور یہ حکم نہیں دیا کہ اس سے قبل استحاضہ کی وجہ سے جتنی نمازیں رہ گئی ہیں ان کی قضاء پڑھو، کیوں کہ اس کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ استحاضہ میں نماز جائز ہے۔ (مجموع الفتاوی ج: 21 ص ۴۲۹ ص ۴۳۱)

اسی طرح ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے امتحان میں جہمیوں کو جو کہ اللہ تعالی کی فوقیت علی العرش کے منکر تھے، کہا تھا:

انا لو وافقتكم كنت كافرا لاني اعلم ان قولكم كفر وانتم عندي لاتكفرون لانكم جهال (الرد علی البکری ص ۴۹۴ ج ۲)

اگر میں تم سے موافقت کرلوں تو کافر ہو جاؤں گا کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ تمھاری یہ بات کفر ہے اور تم لوگ میرے نزدیک کافر نہیں ہو کیوں کہ تم لوگ جاھل ہو۔

یہ بات انہوں نے ان کے علماء، قضاۃ، شیوخ اور امراء کو کہی تھی۔

جہل سے متعلق بعض ضروری اصول و قواعد:

پہلا قاعدہ: اپنا جہل ختم کرنا واجب ہے

ہر انسان شروع سے جاہل ہوتا ہے، اس کو اپنی طاقت کے مطابق یہ جہل ختم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ومن امکنہ التعلم ولم یتعلم اثم (التمہید ص۱۴۰ج۴)

جس کے لیے علم حاصل کرنا ممکن ہو اور وہ علم حاصل نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔

یہ اس آیت میں داخل ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الانبیاء:۷)

تو پوچھو اہلِ علم سے اگر تمھیں معلوم نہ ہو۔

چناں چہ جاہل کو چاہیے کہ حق پرست اہلِ علم سے پوچھے اور اپنی جہالت کو ختم کرے۔

دوسرا قاعدہ:

یہ قاعدہ بھی پہلے قاعدے پر تفریع (یعنی اس کا نتیجہ) ہے۔ ہر وہ جہل جس کا بندے کے لیے ختم کرنا ممکن ہو تو وہ جاہل کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیوں کہ ایک جاہل جو علماء سے پوچھ سکتا ہو اور اس کے لیے کوئی مانع نہ ہو، پھر بھی وہ علماء سے نہ پوچھے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں ہے۔

یہ قاعدہ قرافی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالی نے مخلوق کو اپنے پیغام پیغمبروں کے ذریعے بھیجے ہیں اور لوگوں پر واجب ہے کہ ان احکام کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں۔ لہٰذا علم اور عمل دونوں واجب ہیں۔ جو شخص نہ علم حاصل کرے، نہ اس پر عمل کرے اور جاہل رہ جائے تو اس نے دو گناہ کیے کیوں کہ اس سے دو واجب رہ گئے۔ (الفروق ص۲۶۴ جلد ۲)

جیسے کوئی شخص مسلمانوں کے درمیان رہتا ہو، نماز کے لیے آتا ہو، بیانات سنتا ہو، پھر بھی دین کا کوئی اہم اور ضروری مسئلہ ہو جو اس نے نہ سیکھا ہو تو اس میں اس کا جہل عذر نہ ہوگا، کیوں کہ یہ اپنا جہل ختم کر سکتا ہے لیکن نہیں ختم کرتا۔ (التکفیر مفهومه واخطاره ص۴۵)

تیسرا قاعدہ:

جاہل گناہ گار نہیں ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کسی مانع کی وجہ سے وہ علم حاصل نہ کر سکا ہو۔ ابن عبد البر نے اس کو بیان کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لی ہے۔ (التمہید ص ۱۴۰ ج ۴)

چوتھا قاعدہ:

جن باتوں کی وجہ سے بعضے لوگ کافر ہو جاتے ہیں، ان ہی باتوں کی وجہ سے کبھی بعضے دوسرے لوگ کافر نہیں ہوتے۔ کیوں کہ جہالت عذر ہے لیکن یہ امورِ اضافیہ میں سے ہے۔ کبھی کوئی بات اور کوئی مسئلہ بعضے لوگوں کی بنسبت واضح ہوتا ہے اور بعضے لوگوں کی بنسبت غیر واضح اور نا معلوم۔ لہٰذا جس کو وہ بات معلوم ہو گی تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا اور جس کو معلوم نہ ہو گی تو وہ کافر نہ ہو گا۔

مثلاً ایک آدمی پہلے سے مسلمان ہو اور اس نے علماء کے ساتھ وقت گزارا ہو تو اسے دین کے بہت سے احکام معلوم ہوں گے۔ اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا شخص ایسا ہو سکتا ہے کہ جسے دین کے زیادہ مسائل معلوم نہ ہوں، کیوں کہ یا تو وہ نیا مسلمان ہوا ہو یا کسی ایسے علاقے میں رہتا ہو جہاں غلط عقیدے رائج اور مشہور ہوں، یا وہ ایسے علاقے میں ہو جہاں علماء نہ ہوں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو کوئی غیر اللہ سے مدد مانگتا ہے یا غیر اللہ کے لیے حج کرتا ہے وہ مشرک اور کافر ہے، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس بات کو نہیں سمجھتا کہ یہ کام شرک اور حرام ہے۔ جیسا کہ بہت سے لوگ جو اسلام میں داخل تو ہو گئے جیسے تاتاری وغیرہ ، لیکن ان کے پاس بت تھے کہ جن کا وہ تقرب حاصل کرتے اور ان کی تعظیم کرتے تھے، لیکن ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ دینِ اسلام میں یہ حرام ہے۔ چناں چہ شرک کی بہت سی اقسام ایسی ہیں جو ایسے لوگوں کو معلوم نہیں ہوتیں جو اسلام میں نئے داخل ہوئے ہوتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ شرک ہے۔ (الرد علی الاخنائی ص ۶۱، ۶۲)

پانچواں قاعدہ: کسی حکم سے جاہل شخص مطلقاً کافر نہیں ہوتا

یہ قاعدہ بھی تقریباً پچھلے قاعدے کی طرح ہے۔ یعنی جس کو کوئی مسئلہ یا حکم معلوم نہ ہو تو اس کو مطلقاً کافر نہیں کہا جائے گا۔ کیوں کہ پورا تفصیلی دین کوئی بھی نہیں جان سکتا یہاں تک کہ بڑے بڑے علماء بھی نہیں جان سکتے۔

اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں دین کے بعض احکام نہیں معلوم ہوتے، انہیں کافر نہیں کہا جائے گا، کیوں کہ وہ جہل کی وجہ سے معذور ہیں۔ جیسے کسی کو معلوم نہ ہو کہ ماں یا نانی کا میراث میں حصہ ہے یا نہیں، حالاں کہ یہ مسئلہ قرآن میں صراحتاً موجود ہے، تو ایسے شخص کو بھی کافر نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ فقہاء کہتے ہیں کہ جس شخص کو جن مسائل کی ضرورت نہ ہو تو اس کے لیے ان کا جاننا بھی ضروری نہیں ہے، جیسا کہ ایک آدمی تجارت نہ کرتا ہو تو اس کے لیے تجارت کے مسائل جاننا اور سیکھنا ضروری نہیں اور جب وہ تجارت کرے تو اس وقت اس کے لیے ان مسائل کا جاننا اور سیکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔

فائدہ:

پچھلی بحث سے معلوم ہوا کہ علم ودعوت، بیانات ودروس اور لوگوں کو سمجھانا بہت ضروری ہے۔

دوسرا مانع: خطاء

تکفیر کا دوسرا مانع خطاء ہے۔ یعنی کوئی شخص غلطی سے کفر کی کوئی بات کہے یا ایسا کوئی کام کرے تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خطاء اسے کہتے ہیں کہ انسان کسی کام کا ارادہ کرے اور اس سے کوئی اور کام ہو جائے، مثلاً کافر کو مارنے کا ارادہ کرے لیکن اس کے ہاتھ سے مسلمان مر جائے۔ (جامع العلوم والحکم ص: 375)

دلائل:

اول دلیل:

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُمْ بِهِ (الاحزاب: ۵)

نہیں ہے تم پر کوئی گناہ اس میں کہ جس میں تم سے غلطی ہو جائے۔

دوسری دلیل:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

ان الله وضع عن امتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه

(ابن ماجه ص ۲۰۴۳ وصححه الالباني وابن حبان ص ۱۴۹۸)

یقینا اللہ تعالی نے معاف کر دیا ہے میری امت سے غلطی اور بھول اور وہ کہ جس پر انہیں مجبور کیا جائے۔

تیسری دلیل:

پچھلے دلائل عام تھے ہر قسم کی خطاء کے بارے میں۔ یہ دلیل خاص ہے۔ کوئی شخص کفر کی بات میں غلطی کر لے تو یہ معذور اور معاف ہے۔ اس کی دلیل حدیثِ مسلم ہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی اپنے بندے کی توبہ پر

بہت خوش ہوتے ہیں کہ جب وہ اللہ تعالی سے معافی مانگے۔ تم میں سے کسی شخص سے بھی زیادہ کہ جب وہ اپنی سواری پر ہو ایک سحرا میں اور یہ سواری اس سے بھاگ جائے اور اس پر اس کا کھانا پینا بھی ہو۔ پھر وہ شخص اپنی سواری سے ناامید ہو جائے اور ایک درخت کے سائے تلے ٹیک لگالے۔ اس حالت میں اس کی سواری اچانک اس کے پاس کھڑی ہو، یہ شخص اپنی سواری کو مہار سے پکڑے اور انتہائی خوشی کی وجہ سے کہے کہ اللھم انت عبدی وانا ربك (اے اللہ تعالی آپ میرے بندے ہیں اور میں آپ کا رب)۔ یعنی انتہائی خوشی کی وجہ سے غلط کہہ دے۔

فائدہ:

اس شخص نے اللہ تعالی کو بندہ کہہ دیا اور اپنے آپ کو رب۔ یہ بات اگر کوئی قصداً کہے تو کافر ہو جائے گا لیکن اس شخص سے غلطی ہو گئی اس وجہ سے یہ معذور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان اگر کفر کی بات غلطی سے کہے تو اس سے کافر نہیں ہوتا۔

تیسرا مانع: اکراہ (زبردستی)

تکفیر کا تیسرا مانع اکراہ ہے۔ یعنی کسی شخص کے ساتھ زبردستی کی جائے جس کی وجہ سے وہ کوئی کفر کی بات یا کام کرلے تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

دلائل:

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ (النحل:۱۰۶)

مگر وہ شخص کہ جس پر زبردستی کی جائے اور اس کا دل مطمئن ہو ایمان پر۔

اکراہ کی شرائط:

شریعت میں وہ اکراہ معتبر ہے کہ جس میں درج ذیل شرائط موجود ہوں اور اگر یہ شرائط موجود نہ ہوں تو یہ اکراہ نہ معتبر ہو گا اور نہ ہی عذر بنے گا:

1۔ پہلی شرط یہ ہے کہ مجبور کرنے والے نے جو دھمکی دی ہے وہ عادةً دردناک ہو، جیسا کہ قتل کی دھمکی یا کوئی عضو کاٹنے کی دھمکی یا جیل بھیجنے یا مار کی دھمکی وغیرہ۔

2۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس کام کی دھمکی دے رہا ہے اس کی قدرت بھی رکھتا ہو۔

3۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جس کو مجبور کیا جارہا ہے وہ اپنا دفاع نہ کر سکتا ہو، جیسا کہ بھاگ کر ہجرت نہ کر سکتا ہو، کسی کی مدد حاصل نہ کر سکتا ہو۔

4۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس کو مجبور کیا جارہا ہے اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر میں نے یہ کام نہ کیا تو مجھے سزا دی جائے گی۔
(التکفیر مفهومه اخطاره ص۴٦)

5۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ جس کو مجبور کیا جارہا ہے وہ کوئی ایسا فعل نہ کرے کہ جو اس کی خوشی اور اختیار پر دلالت کرے، مثلاً کسی کو اس بات پر مجبور کیا جارہا ہو کہ اللہ تعالی کو گالی دے اور وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دے دے۔ (التکفیر حکمه وضوابطه ص۵۹)

یہ اکراہ میں نہیں آتا کہ کسی شخص کے دنیوی فائدے خراب ہو رہے ہوں تو یہ کفریہ بات کہے یا کفریہ کام کرے، اس غرض سے کہ یہ دنیوی فائدے اس کو مل جائیں اور اس سے ضائع نہ ہوں۔ اسی طرح کوئی شخص اس بات سے ڈرے کہ میری آمدن اور رزق کی جگہ خراب نہ ہو (مثلاً نوکری، دکانداری، کاروبار وغیرہ)، یا کوئی شخص اٹکل گمان سے کام لے اور کہے کہ اگر میں نے فلاں فلاں کام نہ کیا تو مجھے فلاں فلاں تکلیف پہنچے گی۔ (جیسے میرا گھر جلا دیا جائے گا یا میری تنخواہ بند ہو جائے گی وغیرہ)۔ تو یہ باتیں عذر اور اکراہ میں داخل نہیں ہیں۔

فائدہ:

اکراہ کی تحدید اور تفصیل کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اکراہ کسے کہتے ہیں۔ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکراہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے لغت میں اکراہ کہا گیا ہے اور حواس سے معلوم ہوتی ہو کہ یہ اکراہ ہے، جیسے موت کی دھمکی یا مار یا جیل یا مال کا خراب کرنا (المحلی ص:330 ج:8)

قرطبیؒ رحمہ اللہ نے امام نخعی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ باندھنا یا جیل میں ڈالنا اکراہ ہے۔ یہی امام مالک رحمہ اللہ کا قول بھی ہے۔ (قرطبی ص:190 ج:10)

صحابہ کرام سے یہ نقل ہے کہ جیل یا تعذیب یا باندھنا بھی اکراہ ہے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ليس الرجل بامينٍ على نفسه اذا سُجن او اوثق او عذب (اخرجه عبد بن حميد بسند صحيح)

انسان کا اپنے نفس پر قابو نہیں ہوتا جب اسے قید کر لیا جائے یا باندھ دیا جائے یا مارا جائے۔

شریح کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں:

اربع کلھن کرہ السجن والضرب والوعید والقید

چار چیزیں ساری اکراہ کی ہیں: جیل، مار، دھمکی اور قید

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما کلام یدرأ عنی سوطین الا کنت متکلمًا به

ہر وہ کلام جو مجھ سے دو کوڑوں کو بھی دور کرے میں وہ کہہ دوں گا۔

یہی جمہور کا قول ہے۔ (فتح الباری ص:314 ج:12)

دوسرا فائدہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن بطال رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ قتل ہونا پسند کرے تو یہ اللہ تعالی کے نزدیک بہت بڑے اجر والا عمل ہے، اس شخص کے مقابلے میں جو رخصت پسند کرے۔ (فتح الباری ص:317، ج:12)

اور یہ شخص سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی صف میں آتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سید الشہدأ حمزہ بن عبد المطلب ورجل قام الی امام جائر فامرہ ونہاہ فقتله

(رواہ الحاکم ص ۴۸۸۴ والمنذری فی الترغیب والترھیب ص ۳۴۸۳ وصححه الالبانی فی السلسلة الصحیحه ص ۳۷)

شہداء کے سردار حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور وہ شخص ہے جو کسی ظالم بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو اور اسے حکم کرے (نیکی کا) اور منع کرے (برائی سے)، جس پر وہ اسے قتل کردے۔

اور نبی ﷺ کا عمار رضی اللہ عنہ کو یہ فرمانا "ان عادوا فعد" (اگر وہ دہرائیں یعنی تم سے کفر کا مطالبہ کریں تو تم بھی پھر سے کفر کہہ دینا) رخصت ہے اباحت کے طور پر۔ (التکفیر وضوابطه ص ۸۹)

چوتھا مانع: تاویل

تکفیر کا چوتھا مانع تاویل ہے۔ یعنی اگر کسی عالم کا کفریہ عقیدہ ہو یا کوئی کفریہ کام یا بات کردے لیکن یہ عقیدہ یا کام یا بات تاویل کی وجہ سے ہو تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔

تاویل اسے کہتے ہیں کہ لفظ اپنے ظاہری معنے سے ایک مخالف معنے کی طرف پھیر دیا جائے کسی دلیل کی وجہ سے۔ تاویل بھی خطاء کی ایک قسم ہے لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے جدا ذکر کیا گیا ہے اور دوسرا یہ کہ تاویل کی بعض صورتیں خطاء سے جدا ہیں۔

مثلاً بعضے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جیسا کہ قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ شراب حلال ہے، انہوں نے شراب پی لی اور اس آیت کو دلیل بنایا:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا (المائدۃ:۹۳)

نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کوئی گناہ اس میں جو وہ کھائیں جب کہ وہ اللہ تعالی سے ڈریں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ تمام صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہوا کہ ان سے پوچھا جائے، اگر شراب کی حرمت کا اقرار کرلیں تو کوڑے لگائے جائیں اور اگر اس کی حلت پر دوام اختیار کریں تو قتل کیا جائے۔ (قرطبی ص ۲۹۹ ج ۶)

صحابہ کرام نے انہیں شروع سے کافر نہیں کہا کیوں کہ وہ تاویل کر رہے تھے، بلکہ صحابہ کرام نے مشورہ کیا کہ انہیں سمجھایا جائے کہ تمھاری اس آیت سے دلیل لینا صحیح نہیں ہے۔ پھر بھی اگر وہ اپنی بات پر جمے رہے تو ارتداد کی وجہ سے قتل کیے جائیں گے۔ لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ ہماری یہ دلیل صحیح نہیں ہے تو وہ اپنی بات سے پیچھے ہٹ گئے اور توبہ کرلی۔

اس آیت کا مقصد اور شانِ نزول یہ ہے کہ شراب جنگِ احد کے بعد حرام ہوئی تھی۔ بعضے صحابہ کرام نے کہا کہ ہمارے ان ساتھیوں کا کیا حال ہوگا جو مر گئے اور شراب پیتے تھے تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ حرمت سے قبل جس نے شراب پی تھی تو وہ گناہ گار نہیں ہیں جب کہ وہ متقی اور نیک لوگوں میں سے ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص متاول ہو یعنی تاویل کرتا ہو تو اس پر کفر کا حکم نہ لگے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ تاویل والا خطاء ہو گیا ہے اور خطاء معاف ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس نے یہ کام قصداً کیا ہے کیوں کہ باطن کا علم ایک اللہ تعالی کو ہے۔ (ایثار الحق علی الخلق ص ۴۳۵)

امام محمد وزیر کہتے ہیں کہ تاویل والا کافر نہیں ہے کیوں کہ اس کا سینہ یقینی طور پر یا گمان اور احتمال کے طور پر کفر کے لیے نہیں کھلا۔ یہ علی رضی اللہ عنہ کی باتوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا خوارج کافر ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ من الکفر فروا (کفر سے تو وہ بھاگے ہیں)۔

تمام متاولین (تاویل والے) بھی خوارجوں کی طرح ہیں۔ اگرچہ وہ بڑی بڑی بدعات اور جہالتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ (ایثار الحق علی الخلق ص ۴۳۵)

صاحبِ فیض القدیر کہتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ تمام متاولین اور بدعتی کافر نہیں ہیں، کیوں کہ انہوں نے قصداً کفر پسند نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ حق تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن حق تک نہ پہنچ سکے، جیسا کہ کوئی مجتہد غلطی کر جائے۔یہ محققین علماء کی رائے ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سَلَف اور تابعین میں مجھے ایسا کوئی نہیں معلوم کہ انہوں نے تاویل کی وجہ سے کسی کی گواہی رد کی ہو، اگرچہ انہیں غلطی اور گمراہی پر ضرور کہا۔ مطلب یہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ تاویل والوں کو کافر نہیں سمجھتے کیوں کہ ان کی گواہی مقبول سمجھتے ہیں۔

ابنِ حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ بات کہے کہ ان ربہ جسم من الاجسام (میرا رب جسموں میں سے ایک جسم ہے) تو اگر تو وہ جاہل ہو یا تاویل کر رہا ہو تو معذور ہے اور اس پر کچھ بھی نہیں ہے۔اس کو سمجھانا ضروری ہے اور جب اس کو قرآن و حدیث کے دلائل بتادئے جائیں، پھر بھی وہ عناد کی وجہ سے اس کے خلاف کرے تو کافر ہے اور اس کا حکم مرتد کا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالی فلاں ہے اور کسی خاص انسان کی طرف اشارہ کرے (مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یا کسی ولی یا کسی بھی انسان کی طرف)، یا یہ کہے کہ اللہ تعالی نے کسی جسم میں حلول کیا ہے، یا یہ کہے کہ محمد ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی ہے، تو ایسے شخص کے کفر میں اختلاف نہیں ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ جسے دلیل نہ پہنچی ہو تو اس وقت تک اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگ سکتا جب تک اس پر دلیل قائم نہ ہو جائے۔(الفصل ص:293 ج:3)

تنبیہ:

یہاں یہ بات سمجھنے کی بھی ضرورت ہے کہ دلیل کا قائم کرنا ہر کسی کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ بااعتماد علماء کا کام ہے، جیسا کہ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ بعضے متاخرین کی رائے یہ ہے کہ جو عالم کسی کی غلطی واضح کرے تو وہ غلطی کرنے والے کے نزدیک عالم ہو۔اسی طرح شیخ احمد شاکر کا بھی قول ہے کہ یہ بات صحیح ہے، کیوں کہ ایک راوی اپنی روایت سے اس وقت رجوع کرتا ہے کہ جب اس کو یہ یقین ہو کہ یہ دوسرا شخص مجھ سے اس روایت کو زیادہ سمجھتا ہے۔(انظر تحقیق احمد شاکر للباعث الحثیث شرح اقتصاد علوم الحدیث ص:103) یہی رائے ابن سحمان کی بھی ہے۔ (منہاج الحق والتباع ص:68)

دوسری تنبیہ:

حجت کا قائم ہونا امورِ اضافیہ میں سے ہے۔یعنی حجت کا قیام لوگوں کے فہم کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے، جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حجت کا قیام لوگوں، جگہوں اور زمانے کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔ کبھی کافروں پر اللہ تعالی کی کوئی دلیل کسی زمانے میں قائم ہوتی ہے اور دوسرے زمانے میں نہیں، اسی طرح کسی علاقے اور طرف میں قائم ہوتی ہے اور دوسرے علاقے اور طرف میں نہیں، اسی طرح کسی شخص میں قائم ہوتی ہے اور دوسرے شخص میں نہیں۔(طریق الھجرتین ص:414)

تاویل کی اقسام:

علماء کہتے ہیں کہ تاویل عذر ہے لیکن پھر بھی مطلقاً عذر نہیں ہے۔ تاویل کی تین قسمیں ہیں:

1۔ ایک وہ ہے کہ جس میں نص (یعنی آیت یا حدیث) مراد اور مقصود ہو۔

2۔ دوسری وہ ہے کہ جس کی لغتِ عرب میں کوئی وجہ ہو۔

3۔ تیسری وہ ہے جو کہ محال اور غیر معتبر ہو۔

پہلی قسم کی تاویل صحیح ہے اور علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیت میں "جَنب" کی تاویل کی گئی ہے:

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ

تاکہ نہ کہے کوئی شخص کہ ہائے افسوس اس پر جو میں نے کمی کی اللہ تعالی کے حق میں۔

یہاں جَنب کی تاویل حق سے کی گئی ہے۔

دوسری قسم کی تاویل وہ ہے کہ جس کی لغتِ عرب میں کوئی وجہ موجود ہو (ہمارا مقصد بھی اسی قسم کی تاویل ہے)۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالی کی صفات میں تاویل کرنا، جیسا کہ اللہ تعالی کی ایک صفت ہاتھ ہے، اس میں تاویل کی جائے قدرت یا نعمت سے۔ متاولین کے پاس لغتِ عرب میں اس کی وجہ موجود ہے، اور دوسرا یہ کہ وہ تاویل اس وجہ سے کرتے ہیں تاکہ تشبیہ سے بچ جائیں۔ چناں چہ اس تاویل کی وجہ موجود ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ اس میں تاویل نہ کی جائے، جیسا کہ سَلَف و صالحین کا عقیدہ ہے۔

تیسری قسم کی تاویل وہ ہے کہ جس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اور لفظ کو اُس معنی پر محمول کرنا بے بنیاد ہو، جیسا کہ باطنیوں کی تاویلات تھیں کہ وہ اللہ تعالی کے اسماء میں تاویلات کرتے ہیں امام الزمان کے ذریعے۔ (ایثار الحق علی الخلق ص ۴۰۲)

یا جیسا کہ باطنیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی ایک ہیں، اس طور پر کہ اللہ تعالی وحدت دیتے ہیں، یا عالم ہیں اس طور پر کہ علم دیتے ہیں، موجود ہیں اس طور پر کہ وجود دیتے ہیں، یہ نہیں کہ خود سے واحد یا عالم یا موجود ہیں۔ اس قسم کی تاویلات تاویل نہیں بلکہ واضح کفر ہیں اور جھوٹ ہیں جس کا لغتِ عرب میں بھی کوئی احتمال نہیں۔ اگر اللہ تعالی کو واحد اس طور پر کہا جائے کہ وہ وحدت کے پیدا کرنے والے اور وحدت دینے والے ہیں تو پھر اللہ تعالی کو تین اور چار بھی کہا جائے (کیوں کہ تین اور چار دینے والے بھی اللہ تعالی ہیں) (بغیۃ المرتاد ص:346 ج:1)

یا جیسا کہ بعضے متصوف تاویلات کی وجہ سے حلول اور اتحاد کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ جب بندہ بہت دیندار ہو جائے تو اس کو احکام معاف ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی تاویلات کا کوئی اعتبار نہیں۔

فائدہ:

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ مسائل دو قسم کے ہیں، ایک عقیدوی مسائل اور دوسرے فقہی مسائل، اور یہ موانع اور اعذار فقہ اور احکام میں معتبر ہیں لیکن عقیدے میں معتبر نہیں ہیں، کیوں کہ پھر تو کافر بھی معذور ہو جائے گا۔ لیکن راجح یہ ہے کہ یہ فرق کہ یہ مسئلہ عقیدوی یعنی اصولی ہے اور یہ فقہی یعنی فروعی ہے، یہ فرق صرف اصطلاحی ہے تعلیم و تدریس کے لیے جس کا شریعت کے احکام پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ فرق کہ یہ مسئلہ اصولی ہے اور یہ فروعی، یہ بدعتیوں کا قول ہے، جیسا کہ معتزلہ اور جھمیہ۔ یہ قول بعضے ایسے لوگوں کی طرف منتقل ہو گیا کہ جو اصول فقہ میں کلام کرتے ہیں لیکن ان کو اس قول کی بنیاد نہیں معلوم۔ یہ قول بدعت ہے اور قرآن و سنت اور اجماع میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ (منهاج السنة ص:88 ج:5)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کی بہت سی مثالین ذکر کی ہیں کہ سَلَف میں عقیدے کے مسئلے میں اختلاف ضرور آیا لیکن انہوں نے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے نہیں لگائے۔ (منهاج السنة ص:239 ج:5)

یہ بحث اس لیے ذکر کی گئی کہ کسی پر کفر کا حکم اس وقت لگے گا کہ جب کفر کی شرائط موجود ہوں اور اس کے موانع موجود نہ ہوں۔

اس بحث کے لکھنے میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کی گیا:

1۔ التكفير مفهومه واخطاره وضوابطه

2۔ التكفير حكمه وضوابطه

3۔ الغلو في التكفير

4۔ التكفير وضوابطه

وصلى الله على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين

تولی

اور

موالات

موالات کے مراتب میں فرق

(یعنی کفار سے تعلق میں فرق)

بعضے لوگ موالات کے مرتبوں میں فرق نہیں کرتے۔اسی وجہ سے جو بھی کفار سے تعلق رکھے اسے کافر اور مرتد سمجھتے ہیں اور اس کا قتل نہ صرف جائز بلکہ واجب سمجھتے ہیں اور کفر کے فتووں میں جلدی اور تیزی سے کام لیتے ہیں، حالاں کہ موالات (دوستی و تعلق) کے بہت سے مراتب ہیں۔ کبھی موالات کفر وارتداد ہوتا ہے اور کبھی صغیرہ گناہ۔اس مسئلے کی وضاحت کے لیے یہاں ہم کچھ بحثیں کریں گے۔

پہلی بحث: "تولی" اور "موالات" کا معنیٰ

"تولی" اور "موالات" اکثر محبت، دوستی، تابعداری، اپنا بنانا اور مدد کے معنی میں آتا ہے۔(الموالات والمعادات فی الشریعۃ الاسلامیۃ لمحماس بن عبد اللہ صفحہ۱۳)

دوسری بحث: تولی اور موالات کی نسبت

تولی اور موالات کے درمیان عموم اور خصوص کی نسبت ہے۔ موالات عام ہے اور تولی خاص ہے۔یعنی موالات مطلق محبت کو کہتے ہیں[1]، اور تولی کامل محبت اور مدد کو کہتے ہیں۔[2] چناں چہ ہر تولی موالات ہوتی ہے اور ہر موالات تولی نہیں ہوتی۔

تیسری بحث: موالات کی وہ صورتیں جو کفر ہیں

موالات کبھی کفر ہوتا ہے، چناں چہ اس معنی کے مطابق یہ تولی کے مرادف ہو جاتا ہے، ہم یہاں موالات کی کفر کی کچھ صورتیں ذکر کریں گے:

1۔ کفار کے ساتھ تعاون کرنا:

کفار کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف مال، جان یا رائے کے ذریعے تعاون کرنا، یا ان کی موافقت کرنا اس نیت سے کہ کفر غالب اور اسلام مغلوب ہو جائے، یا ان کے کفریہ کاموں پر قلبا راضی ہونا، کفر ہے۔

---

[1]- کما فی القاموس المحیط د فیروز آبادی صفحة ۴۰۱ جلد ۴: الموالات هی المحبة

[2]- کما فی المعجم الوسیط صفحه ۱۰۷۰ جلد ۲: اما التولی فهو تقدیم کامل المحبة والنصرة للمتولی بحیث یکون المتولی مع المتول کالظل مع الجسم

بحواله الموالات للمحماس ص ۴ جلد ۵)

2۔ کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ:

جب کوئی کفار کے ساتھ رہے اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے تو یہ بھی کفر ہے۔ (الموالات للمحماس ص:۲۷)

3۔ کفریہ قانون سے فیصلہ کرنا:

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کفار کے قانون اور نظام کی تنفیذ اور تطبیق کرے، اوراس میں حلال کو حرام کرے، جیسے سود، زناء، شراب وغیرہ کو حلال سمجھے، یا حلال کو حرام کرے، جیسا کہ ایک سے زیادہ نکاح یا امر بالمعروف و نھی عن المنکر پر پابندی لگائے تو اس قسم کی موالات کفر ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدۃ:۴۴)

جو شخص اللہ کے نازل کردہ قانون سے فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

المرء مع من احب (انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔)

4۔ مسلمانوں کے خلاف کفار کی امداد کرنا یا کفار کی تعریفیں کرنا یا ان کا دفاع کرنا[1]

موالات میں عدمِ کفر کی صورتیں:

یعنی وہ صورتیں جن میں انسان کافر نہیں ہوتا البتہ گناہ گار ہوتا ہے:

1۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کفار کے ساتھ رہے لیکن ان کے کفر کو ناپسند کرے تو یہ گناہ ہے کفر نہیں ہے۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کفار سے دنیوی غرض کے لیے تعلق جوڑے اوراس کے دل میں کفر نہ ہو، جیسا کہ حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے جب کفار کو خط لکھا اور رسول اللہ ﷺ کے حملے کی خبر ان کو دینی چاہی جب کہ وہ ایک راز کی بات تھی۔ چناں چہ اس قسم کا تعلق گناہِ کبیرہ ہے لیکن کفر نہیں ہے۔ البتہ حاطب رضی اللہ عنہ گناہ سے مستثنیٰ ہیں کیوں کہ وہ بدری صحابی ہیں، انہوں نے اسلام میں سبقت کی تھی اور ان کی نیت صحیح تھی۔

---

[1]- (الولاء والبراء فی الاسلام لصالح الفوزان ص۹ بحوالہ دوستی او دشمنی ص۱۰۲)

3۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جب کفار مسلمانوں کے ملک میں آئیں اور مسلمان ان کا عمومی اکرام کریں اور یہ اکرام دعوتِ اسلام کی خاطر نہ ہو اور نہ دل میں کفار سے محبت ہو اور نہ ان سے دوستی۔ (مجموعة التوحيد ص:126)

4۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص دنیوی مفاد کی خاطر کفار سے تعلق رکھے اور ان کے کفر کو باطل اور برا جانے تو یہ گناہ ہے لیکن کفر نہیں ہے۔ ایسا شخص تعذیر کا مستحق ہے۔ (مجموعة التوحيد ص١٢٦)

5۔ پانچویں صورت قرطبیؒ اور ابن العربی رحمھما اللہ اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ کوئی شخص مسلمانوں کے حالات معلوم کرکے کفار کو اس کی خبر دے، اور اس سے اُس کا مقصد دنیوی مفاد ہو تو ایسا شخص کافر نہیں ہے، اس کے قتل کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کا قتل جائز ہے یا نہیں اور اگر قتل جائز ہے تو بطورِ حد ہے یا نہیں۔

6۔ چھٹی صورت کفار کے لیے سیاہی یا ان کے قلم تیار کرنا یا ان کو چابک دینا ہے۔ یہ کبیرہ گناہ ہے، کفر نہیں۔

7۔ ساتھویں صورت:

جن علماء نے الولاء والبراء کے مسئلے پر کتابیں لکھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں غلو (زیادتی) کیا جاتا ہے۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ظاہری اعمال پر کسی کو کافر قرار دیا جائے، یعنی کسی کا عمل ظاہراً الولاء والبراء کے خلاف ہو اور اس کی وجہ سے اس پر کفر کا فتوا لگایا جائے۔ کفر کا تعلق دل سے ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کافر سے اس کے کفر کی وجہ سے محبت کرے یا اس کا یہ دل چاہتا ہو کہ مسلمانوں کے خلاف کفار کی مدد ہو جائے تو ایسا شخص کافر ہے، لیکن اگر کوئی شخص ظاہراً اور عملاً کفار کی مدد کرے تو صرف اس مدد کی وجہ سے اس کو کافر کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ شخص دینِ اسلام سے محبت رکھتا ہو لیکن اس کا ایمان کمزور ہو، اپنی دنیوی ضرورت اور مصلحت کی خاطر کفار کی مدد کرتا ہو، جیساکہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حاطب رضی اللہ عنہ نے جو کام کیا تھا وہ گناہ تھا، کفر نہ تھا۔[1]

اسی طرح وہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ تاتاریوں کے ساتھ مسلمانون کے خلاف جنگ کرتے ہیں تو اس کی کئی قسمیں ہیں۔ اس میں بعضے فاسق ہوتے ہیں، بعضے بدعتی اور بعضے زندیق۔ (مجموع الفتاوی ص ۵۵۲ جلد ۲۸)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ تاتاریوں کو کافر سمجھتے ہیں لیکن جو لوگ ان کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتے ہیں، ان کی ایک تقسیم نہیں کی بلکہ ان میں کئی اقسام بنائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی ظاہراً کفار کا ساتھ دے تو ان میں سے ہر کوئی کافر نہیں ہوتا، بلکہ اس مسئلے میں اس کے حالات کو دیکھا جائے گا۔

اس پر حدیثِ سھل بن بیضاء رضی اللہ عنہ بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ مکہ میں خفیہ طور پر مسلمان ہوئے تھے، پھر بدر کے موقع پر کفار کے ساتھ آئے اور قید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ یہ قیدی فدیہ یا قتل کے علاوہ نہ چھوڑے جائیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض

[1]- انظر شرح حديث جبريل الايمان الاوسط ص ۴۰۲ مجموع الفتاوی ص ۵۲۲ جل۷ بحواله الولاً والبراً بين الغلو والجفاً فی ضوً الكتاب والسنة ص ۲۵

کیا کہ سوائے سھل بن بیضاء کے، کیوں کہ میں نے ان سے اسلام کا ذکر سنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا کہ سوائے سھل بن بیضاء کے۔ (اخرجہ الامام احمد رقم ص ۳۶۳۲ والترمذی وحسنہ، رقم ۱۷۱۴ والحاکم وصححہ ص ۲۱ جلد ۳)

موالات کی سزا:

جس طرح موالات کے مرتبوں میں فرق ہے کہ کبھی کفر ہوتی ہے، کبھی کبیرہ گناہ اور کبھی صغیرہ گناہ، اسی طرح اس کی سزا میں بھی مرتبے ہیں۔ جو موالات کفر ہو تو اس کی سزا قتل ہے۔ جو موالات گناہِ کبیرہ ہو، جیسے کوئی شخص کفار کو مسلمانوں کے حالات کی خبر دے یعنی جاسوسی کرے تو اس کے قتل میں ائمہ میں اختلاف ہے۔ جو موالات صغیرہ گناہ ہو اس کی سزا تعزیر ہے قتل کے علاوہ۔ [1]

علماء کی رائے:

شیخ عبدالرحمٰن بن سعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "تولی" (کفار سے دوستی) میں بھی مرتبے ہیں، جس طرح موالات میں مرتبے ہیں۔ چناں چہ ہر قسم کی "تولی" کفر نہیں ہوتی، لیکن یہ قول بلا دلیل ہے۔

شیخ محمد بن عتیق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "موالات" کی ہر قسم کفر ہے، جیسا کہ "تولی" کفر ہے، لیکن یہ قول بھی کمزور ہے۔

اس میں پسندیدہ قول جمہور علماء کا ہے کہ "تولی" کفر ہے اور "موالات" میں مرتبے ہیں کہ کبھی کفر، کبھی کبیرہ گناہ اور کبھی صغیرہ گناہ ہوتی ہے۔

عدمِ موالات کی صورتیں:

بعضے تعلقات ایسے ہیں جو موالات یا تولی میں شمار نہیں ہوتے۔ یعنی بعضی باتیں یا کام یا تعلق گناہ نہیں ہوتے، جیسا کہ امام ابوبکر بن قاسم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعضی صورتیں موالات میں سے نہیں ہیں، جیسا کہ خرید وفروخت، کافر کی مزدوری کرنا، اس کے ساتھ احسان کرنا، اس کا ھدیہ قبول کرنا، سلام کا جواب دینا، بیمار پرسی کرنا، کتابی سے نکاح کرنا، کفار کے علوم سے استفادہ کرنا۔ (اعتقاد اھل السنة للامام ابی بکر بن قاسم الرحبی ص ۵۱)

---

[1]- مجموعة التوحید ص ۱۲۶ او الموالات للمحماس ص ۳۹۰۔
ان ابحاث میں زیادہ نقل "الموالات والمعادات فی الشریعۃ الاسلامیۃ لمحماس بن عبد اللہ" سے ہوئی۔ مزید وضاحت کے لیے اسی کتاب کی طرف رجوع کریں۔

تفصیل ودلائل:

1۔کافر سے خرید وفروخت

اس کی دلیل بخاری شریف میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنھما کی حدیث ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک مشرک آیا، اس کے پاس بکریاں تھیں۔رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ بیعاً او ھبةً (یہ بیچنے کے ہیں یا ھدیہ ہیں؟)۔اس نے کہا کہ یہ بیچنے کے ہیں۔فاشتری منه شاة (رسول اللہ ﷺ نے اس سے ایک بکری خرید لی)۔

ابن بطال رحمہ اللہ کہتے ہیں:

معاملة الکفار جائزةٌ الا بیع ما یستعین به اهل الحرب علی المسلمین (فتح الباری ص ۴۱۰ جلد)

کفار کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے مگر وہ چیز بیچنا جائز نہیں ہے جس کے ذریعے حربی مسلمانوں کے خلاف مدد حاصل کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے یہود سے تیس وسق جو خریدی تھی اور اپنی زرہ اس کے بدلے رہن میں رکھی تھی۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تجارت کی غرض سے دارِ حرب کا سفر جائز ہے۔جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تجارت کی غرض سے شام کا سفر کیا تھا اور اس وقت شام دارالحرب تھا۔(بحوالة "الولاء والبرأ لسعید القحطانی ص ۳۰۶")

2۔کافر کی مزدوری کرنا:

بخاری کی حدیث میں خبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کنت رجلًا قینا فعملت للعاص بن وائل (میں لوہار تھا، میں نے عاص بن وائل کے لیے کام کیا) الی آخرہ۔

فتح الباری میں ہے کہ علماء دار الحرب میں مشرکوں کی مزدوری کو مکروہ سمجھتے ہیں، مگر پھر ضرورت کے وقت جواز کے قائل ہیں لیکن دو شرطوں کے ساتھ:

1۔مزدوری ایسے کام کی ہو جو کہ مسلمانوں کے لیے حلال ہو۔

2۔ایسے کام میں امداد (یعنی مزدوری) نہ ہو جس سے مسلمانون کو نقصان پہنچے۔[1]

---

[1] فتح الباری ۴۰۲ جلد ۴ بحوالہ الولاً والبراء

یہی مذہب احناف اور شوافع کا ہے۔[1] اس کی دلیل یہ کہ سیدنا علی اور سیدنا کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنھما نے یھودیوں کی مزدوری کی، اور یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے ساتھ کام کیا۔امام قرطبیؒ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہی قول پسندیدہ ہے۔[2]

3۔کافر کے ساتھ احسان کرنا

یعنی حربی کافر کے علاوہ دیگر کافروں پر خیرات کرنا یاانہیں تحفے دینا یاان کے ساتھ احسان اور اچھائی کرنا جائز ہے، جیساکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

(الممتحنۃ:۸)

اللہ تعالی تمھیں ان لوگوں سے نہیں منع کرتے جو تم سے جنگ نہیں کرتے اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالتے ہیں، کہ تم ان کے ساتھ احسان اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ تعالی محبت کرتے ہیں انصاف کرنے والوں کے ساتھ ۔

اس کے علاوہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو جو کہ مشرک تھا ریشم کا جوڑا دیا تھا۔

4۔کافر کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔

یعنی کفر کی وجہ سے اس کا رشتہ داری کا حق نہیں ختم ہوتا اور اس کے ساتھ صلہ رحمی موالات میں نہیں آتا، جیساکہ اللہ تعالی مشرکوں کے والدین کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (لقمٰن:۱۵) (اور ان دونوں کے ساتھ دنیا میں اچھا معاملہ کرو)

یعنی مشرک ماں باپ کے ساتھ دنیوی نیکی اور احسان کرو۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنھما کہتی ہیں کہ جب ہمارا قریش کے ساتھ معاہدہ تھا تو میری ماں میرے پاس آئیں تو نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا صلی امكِ (اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو)۔

5۔کافر سے تحفے تحائف وصول کرنا:

کافر سے تحفے وصول کرنا بھی موالات میں نہیں آتا اور اس سے تحفے لینا جائز ہے۔ بخاری شریف میں امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے باب قبول الهدية من المشركين (یعنی مشرکین سے تحفے قبول کرنے کے بارے میں باب)۔

---

[1]- وانظر المغنی ص۵۰۵ جلد۵

[2]- قرطبی ص۲۱۵ جلد۹

رسول اللہ ﷺ کو ایلہ کے بادشاہ نے سفید خچر تحفے میں بھیجا تھا۔ اکیدر دومۃ الجندل نے آپ ﷺ کو ریشم کا جبہ بھیجا تھا۔ مقوقس نے آپ ﷺ کو ماریہ رضی اللہ عنھا تحفے میں بھیجی تھیں۔ البتہ اس مسئلے میں تفصیل اور شرائط ہیں۔

6۔ کافر کو سلام کا جواب دینا:

کافر کو سلام کا جواب دینا بھی موالات میں نہیں آتا بلکہ جمھور کے نزدیک کافر کے سلام کا جواب "وعلیکم "کے الفاظ سے دینا واجب ہے۔

اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سلام کرنا ہے، یعنی ابتداءً سلام کرنا، اور دوسرا سلام کا جواب دینا ہے۔ جمھور علماء کا مذھب یہ ہے کہ کافر کو سلام یعنی ابتداءً سلام کرنا صحیح نہیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "لا تبدؤو الیھود ولا النصاریٰ بالسلام "(یھود و نصاریٰ کو سلام میں ابتداء نہ کرو)

ابنِ عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کافر کو سلام کرنا جائز ہے، کیوں کہ ابراھیم علیہ السلام نے اپنے والد کو سلام کیا تھا۔ جمھور اس میں ایک توجیہ یہ کرتے ہیں کہ یہ سلامِ متارکت تھا۔ اس کے علاوہ دیگر توجیہات بھی ہیں۔ نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب تمھارا یھودی یا نصرانی سے کوئی کام ہو تو اسے سلام کر سکتے ہو، جیسا کہ اس کے ساتھ تمھارا کوئی وعدہ ہو یا وہ تمھارا سفر میں ہمراہ ہو، یا وہ تمھارا پڑوسی ہو۔

اس طریقے سے دو احادیث میں تطبیق بھی آجاتی ہے کہ ایک میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یھود و نصاریٰ کو سلام نہ کرو، اور اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مجلس میں تشریف لائے کہ جہاں مسلمان، مشرک، یھود اور عبد اللہ ابن ابی ابن سلول بھی تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو سلام کیا۔

طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث عام ہے کہ عام وقتوں میں ان کو سلام نہ کرو، اور اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث خاص ہے، یعنی جب ضرورت ہو تو سلام کیا جاسکتا ہے۔

اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ان سلمت فقد سلم الصالحون قبلك وان ترکت فقد ترك الصالحون قبلك (قرطبی ص:111.112 ج:11)

اگر تم کافر کو سلام کرتے ہو تو تم سے قبل نیک لوگوں نے ان کو سلام کیا، اور اگر تم ان کو سلام نہ کرو تو تم سے قبل نیک لوگوں نے اس کو نہ کیا۔

دوسرا کافر کو سلام کا جواب دینا ہے۔ اس میں اتفاق ہے کہ اس کو سلام کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ البتہ وجوب میں اختلاف ہے۔ جمھور کا مذھب یہ ہے کہ اس کو سلام کا جواب دینا واجب ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ کافر کو سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، جیسا کہ بدعتیوں کو سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

اس میں پسندیدہ مذہب جمہور کا ہے، کیوں کہ ہمیں بدعتیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے تنبیہ کی غرض سے اور ان سے اپنے آپ کو بچانے کی غرض سے، ذمیوں کے برخلاف۔ (ذاد المعاد ۴۲۵ جلد ۲ بحوالہ الولاً البراً للقحطانی ص ۳۱۱)

7۔ کفار کی بیمار پرسی کرنا:

کفار کی بیمار پرسی بھی موالات میں نہیں آتی، یعنی کفار کی بیمار پرسی کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے کر گئے تھے، ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ اسی طرح ایک یھودی لڑکا بیمار تھا، رسول اللہ ﷺ اس کی عیادت کے لیے گئے، اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے قبول کر لی۔

8۔ کافر کو دم کرنا یا اس کا علاج کرنا:

کافر کا علاج معالجہ کرنا بھی موالات میں نہیں آتا۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ کفار کے ایک سردار کو بچھو نے کاٹ لیا تھا، صحابہ کرام نے اسے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔

9۔ کافر کے لیے صحت کی دعاء کرنا:

کافر کو صحت کی دعاء دینا بھی موالات میں نہیں آتا۔ یعنی کوئی کافر بیمار ہو اور آپ اس کو صحت کی دعاء دیں کسی مصلحت کی خاطر، جیسا کہ اس کے ایمان کی امید پر یا اس کو نرم کرنے کے لیے وغیرہ، تو یہ کام بھی جائز ہے۔ کیوں کہ صحت کے لیے دعاء بھی دم کی جنس سے ہی ہے۔
(المفصل فی شرح آیۃ الولاً والبراً لعلی بن نایف ص ۳۲۸)

10۔ کافر کے لیے ھدایت کی دعاء کرنا:

کافر کے لیے ھدایت کی دعاء کرنا بھی موالات میں نہیں آتا۔ البتہ اس کے لیے مغفرت کی دعاء کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ اس کا جنازہ۔

11۔ کافر کی قبر کی زیارت کرنا:

کافر کی قبر کی زیارت بھی موالات میں نہیں آتا۔ یعنی کسی کافر کی قبر پر وعظ اور عبرت حاصل کرنے کے لیے جایا جائے تو یہ بھی جائز ہے، لیکن اس کی قبر پر سلام کرنا، دعاء کرنا اور اس کے لیے بخشش و مغفرت مانگنا جائز نہیں۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

استأذنتُ ربي ان استغفر لأُمي فلم يؤذن لي واستأذنتُهُ ان ازور قبرها فاذِن لي

میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ اپنی ماں کے لیے بخشش مانگوں تو مجھے اجازت نہ ملی، اور میں نے اجازت چاہی کہ میں اپنی ماں کی قبر کی زیارت کروں تو مجھے اس کی اجازت مل گئی۔

12۔کافر سے طبعی محبت کرنا:

کافر سے طبعی محبت کرنا بھی موالات میں نہیں آتا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ کافر سے دلی محبت کی تین قسمیں ہیں:

ایک وہ ہے کہ جس سے ایمان ختم ہو جاتا ہے، جیسے کسی کافر سے اس کے کفر کی وجہ سے محبت کرنا۔

دوسری قسم وہ ہے کہ جس سے ایمان کم ہو جاتا ہے، جیسے کسی کافر سے اس کے گناہ کی وجہ سے محبت کرنا، پھر اس محبت کے مطابق یہ محبت کرنے والا گناہ گار ہوگا۔اگر یہ کافر گناہِ کبیرہ کرتا ہو جس کی وجہ سے کوئی اس سے محبت کرتا ہو تو یہ محبت کبیرہ گناہ میں آتی ہے، اور اگر وہ کوئی صغیرہ گناہ کرتا ہو جس کی وجہ سے کوئی اس سے محبت کرے تو یہ محبت صغیرہ گناہ میں آئے گی۔ اس محبت کی وجہ سے وہ کافر نہ ہوگا، کیوں کہ ہمیشہ سے مسلمانوں میں ایسے لوگ رہے ہیں جو کسی گناہ سے محبت کرتے ہیں لیکن اھلِ سنت والجماعت نے کسی پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔

تیسری قسم وہ محبت ہے کہ جس کی وجہ سے نہ ایمان ختم ہوتا ہے اور نہ کم۔ یعنی نہ اس کی وجہ سے انسان کافر ہوتا ہے اور نہ ہی گناہ گار۔وہ محبت طبعی محبت ہے، جیسے کوئی باپ اپنے کافر بچے سے محبت کرے، یا کوئی بیٹا اپنے کافر ماں یا باپ سے محبت کرے، یا کوئی شخص کسی ایسے کافر سے محبت کرے کہ جو اس کے ساتھ احسان اور نیکی کرے یا اس کی امداد کرے، جیسا کہ اللہ تعالی اپنے نبی سے فرماتے ہیں کہ انك لا تھدی من احببت (آپ نہیں ھدایت دے سکتے اس شخص کو جس سے آپ محبت کرتے ہیں)۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو اپنے کافر چچا ابوطالب سے بہت محبت تھی۔

لیکن اس طبعی محبت میں یہ بات ضروری ہے کہ اس کے کفر اور گناہ کو برا جانے، کیوں کہ اگر اس کے گناہ اور کفر کو برا نہ جانے تو یہ پھر پہلی دو قسموں میں شمار ہوگا۔ (الولاً والبراً لحاتم بن عارف ص ۲۲)

13۔کتابیہ عورت سے نکاح کرنا:

کتابیہ سے نکاح بھی موالات میں نہیں آتا، جیسا کہ سورہ مائدہ میں اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدۃ:۵)

اور پاکدامن عورتیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تم سے قبل۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ محصنات کا معنی پاکدامن سے کرتے ہیں، چاہے آزاد ہو یا باندی، حربیہ ہو یا ذمیہ۔ امام شافعی رحمہ اللہ معنی کرتے ہیں آزاد سے۔ چناں چہ کتابیہ باندی سے نکاح جائز ہے۔ (احسن الکلام للشیخ عبد السلام سورۃ مائدہ ۵)

14۔ کفار کے علوم سے استفادہ کرنا:

کفار کے علوم سے استفادہ کرنا بھی موالات میں نہیں آتا، مثلاً طب، معیشت، زمینداری وغیرہ میں۔ بخاری شریف میں کتاب الاجارہ میں حدیث آتی ہے کہ نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن اریقط کو راستے کی رہبری کے لیے مزدوری پر لیا تھا۔

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافر کی طرف طب، دوائی اور حساب وغیرہ میں رجوع جائز ہے۔ انسان کے کفر سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی کسی چیز پر اعتماد نہ کیا جائے، کیوں کہ راستے کی رہبری سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں، خصوصاً ہجرت میں۔ (بدائع الفوائد ص ۲۰۸ جلد ۳ بحوالہ الولأ والبرأ للقحطانی ص ۳۱۳)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یھود سے زراعت میں استفادہ کیا تھا۔ خیبر کے یھود کو زراعت کے لیے زمین دی تھی کہ تم لوگ اس زمین میں خدمت کرو، تمھارے لیے آدھی پیداوار ہو گی۔ البتہ کافر کو امارت دینا اور رازدار بنانا جائز نہیں ہے۔ اسے دفتروں میں وظیفے دینا بھی جائز نہیں۔ مسند احمد میں صحیح سند سے آتا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان لی کاتبا نصرانیا (میرا ایک نصرانی کاتب ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مالك قاتلك الله (تمہیں کیا ہو گیا ہے اللہ تمہیں ہلاک کرے)، کیوں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ (المائدۃ:۵۱) (یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ) میں نے ان سے کہا کہ لی کتابته وله دینه (میں اس سے کتابت کا کام لیتا ہوں، اس کا دین اس کا اپنا معاملہ ہے)، انہوں نے فرمایا کہ لا اکرمهم اذا اهانهم الله ولا اعزهم اذا اذلهم الله ولا ادنيهم اذا اقصاهم الله (میں ان کا اکرام نہیں کرتا جبکہ اللہ تعالی نے ان کو بے عزت کیا، میں ان کی عزت نہیں کرتا جب کہ اللہ تعالی نے ان کو ذلیل کیا، میں ان کو قریب نہیں کرتا جب کہ اللہ تعالی نے ان کو دور کیا۔)

بہر حال انفرادی اور شخصی طور پر ان سے خدمت لی جا سکتی ہے لیکن ایسی خدمت ان سے نہیں لی جا سکتی کہ وہ مسلمانوں پر امیر ہوں، کیوں کہ شریعت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالی کا کلمہ بلند ہو اور کفر کا کلمہ نیچے ہو۔

اظہارِ عداوت اور وجودِ عداوت:

اسی طرح اظہارِ عداوت یعنی دشمنی کا اظہار وجودِ عداوت کا غیر ہے۔ کیوں کہ اگر کوئی شخص ڈر یا عجز کی وجہ سے اظہارِ عداوت نہ کرے تو یہ معذور ہے۔ یعنی اگر کفار سے دشمنی کا اظہار نہ کرے تو معذور ہے۔ چناں چہ اظہارِ عداوت ہر وقت لازم نہیں ہے لیکن وجودِ عداوت ہر وقت لازم ہے۔ یعنی کفار سے دل میں دشمنی رکھنا ہر وقت لازم ہے۔

کیوں کہ وجودِ عداوت کفر بالطاغوت میں داخل ہے،اور کفر بالطاغوت اور اللہ اور رسول کی محبت لازم وملزوم ہیں، جو کہ مؤمن سے جدا نہیں ہو سکتی۔ (الرسائل المفید للشیخ عبد اللطیف ص ۲۸۴ بحوالہ دوستی اور دشمنی ص ۳۱۲)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ کوئی شخص کسی ایسی جگہ رہتا ہو کہ جہاں کفار کا زور زیادہ ہو اور وہ کمزور ہو، اور اس کو ان سے ڈر ہو تو اگر یہ کفار سے دشمنی ظاہر نہ کرے تو معذور ہے لیکن دل میں ان سے ضرور دشمنی رکھے۔

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ سورہ آلِ عمران کی آیت 28 میں کہتے ہیں کہ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شہر میں کسی وقت کفار کے شر سے ڈرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ ظاہری اور وقتی طور پر ان کے شر سے بچنے کے لیے ان سے ظاہری تعلق جوڑے لیکن یہ تعلق دل اور نیت سے نہ ہو، جیسا کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

انا لنکشر فی وجوہ اقوام وقلوبنا تلعنھم (بخاری کتاب الادب باب المداراۃ مع الناس)

ہم بعض ظالموں اور فاسقوں کے سامنے ہنستے ہیں حالاں کہ ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

بعضے سلف سے مذکور ہے کہ تقیہ زبان سے ہوتا ہے نہ کہ عمل سے۔ (ابن کثیر ص: ۳۵۸ ج: ۱)

مدارات اور مداہنت:

اسی طرح مدارات اور مداہنت میں فرق ہے۔ مدارات جائز ہی نہیں بلکہ کبھی مستحب بھی ہوتی ہے، جبکہ مداہنت حرام اور ناجائز ہے۔ ان کے درمیان فرق علامہ قرطبیؒ اور قاضی رحمہما اللہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

ان المدارات بذل الدنیا لصلاح الدنیا اوالدین او ھما معًا

مدارات دنیا یا دین یا دونوں کے فائدے کے لیے دنیا کے خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔

والمداھنۃ ترك الدین لصلاح الدنیا

اور مداہنت دنیا کی اصلاح کے لیے دین کو چھوڑنے کا نام ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے اجازت مانگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بہت برا آدمی ہے۔ جب وہ شخص اندر آیا تو آپ ﷺ نے اس سے بہت نرمی کا برتاؤ کیا۔

اسے مدارات کہتے ہیں، کیوں کہ نبی ﷺ اس سے اچھے اخلاق سے پیش آئے اور اس سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ (فتح الباری ص ۴۰۴ جلد ۱۰)

ابن بطال رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مدارات مؤمن کی صفت ہے اور مدارات کہتے ہیں:

الرفق بالجاهل فی التعليم وبالفاسق فی النهی عن فعله وترك الاغلاظ عليه

جاہل کے ساتھ تعلیم میں اور فاسق کو فسق سے منع کرنے میں نرمی کرنا اور سختی نہ کرنا۔

اور مداہنت کہتے ہیں:

معاشرة الفاسق واظهار الرضا بماهو فيه من غير انكارٍ عليه

فاسق کے ساتھ وقت گزارنا اور اس کے فسق پر راضی رہنا اور رد نہ کرنا۔